ماہنامہ نعت لاہور
اقبالؒ کی نعتؐ

ماہنامہ **نعت** لاہور

جلد ۴ نومبر ۱۹۹۱ء شمارہ ۱۱

اقبالؒ کی نعتؐ

(حصہ اول)

ایڈیٹر: راجا رشید محمود

مشیرِ خصوصی: چوہدری رفیق احمد باجوہ ایڈووکیٹ

معاون: شہناز کوثر

خطاط: جمیل احمد قریشی تنویر رقم
خلیل احمد نوری

قیمت ۱۵ روپے (فی شمارہ)
۱۶۰ روپے (زرِ سالانہ)

منیجر: اظہر محمود

پرنٹر: حاجی محمد نعیم کھوکھر، جیم پرنٹرز۔ لاہور

پبلشر: راجا رشید محمود

بائنڈر: خلیفہ عبدالمجید، بک بائنڈنگ ہاؤس، ۳۸۔ اردو بازار۔ لاہور

اظہر منزل مسجد سٹریٹ نمبر ۵۔ نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ
لاہور (پاکستان) پوسٹ کوڈ ۵۴۵۰۰

(منظور رقم)

فون: 463684

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا
مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَائِهَا
وَعَافِيَةِ الْأَبْدَانِ وَشِفَائِهَا وَنُوْرِ
الْأَبْصَارِ وَضِيَائِهَا وَعَلٰى آلِهٖ
وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا

فہرست

اقبال کی نعت (حصہ دوم) میں علامہ کی ہر شعری تصنیف کے حوالے سے ان کے نعتیہ اشعار پر مضامین ہوں گے اور حصہ سوم میں مضامین نعت کے اعتبار سے ان کے خیالات کا تجزیہ پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ!

چون بنامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوانم درود
از خجالت آب میگردد وجود
عشق میگوید کہ اے محکومِ غیر
سینہ تو از بتان مانندِ دیر
تا نداری از محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنگ و بو
از درودِ خود میالا نامِ او

اقبالؒ

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
اقبالؒ کی عقیدت کا سبب

تحریر: واحد رضوی

وجہِ عقیدت

سرورِ کائنات کی ذاتِ اقدس سے اقبال کی عقیدت ٹھوس حقائق پر مبنی ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ رسالتِ محمدیہ حریت کی تشکیل و تاسیس کا سبب اور بنی نوعِ آدم کی مساوات و اخوت کے قیام کا ذریعہ ہے ـــــ آپ کی بعثت سے پہلے دنیا میں ایک انسان دوسرے انسان کا محتاج تھا۔ قیصر و کسریٰ انسانوں کو لوٹتے رہتے تھے۔ ہر جگہ انسان غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے جس کے باعث اُن کی صلاحیتیں مردہ ہو چکی تھیں ـــــ یہاں تک کہ خدائے قدوس کی بے شمار رحمتوں کی بدولت سرکارِ دو عالم اس دُنیا میں تشریف لائے اور غلاموں کو آقاؤں کی مسندِ جلالی، حق داروں کو اُن کا حق پہنچایا اور ہر نقشِ کہن کو مٹا کر انسانیت کو استوار بنیادوں پر قائم کر دیا۔ آپؐ نے دُنیا کو حریت کی تعلیم دی اور نہ صرف ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی بنا دیا بلکہ تمام امتیازات کو مٹا کر انسانی مساوات کو اپنی تعلیمات کی اساس قرار دیا ـــــ!

بود انساں در جہاں انساں پرست
ناکس و نابود مند و زیر دست

سطوتِ کسریٰ و قیصر رہزنش   بند ہا در دست و پا و گردنش

از غلامی فطرتِ او دوں شدہ   نغمہ ہا اندر نئے او خوں شدہ

تا امینے حق بحقداراں سپرد   بندگاں را مسندِ خاقاں سپرد

قوّتِ او ہر کہن پیکر شکست   نوعِ انساں را حصارِ تازہ بست

حریّت زاد از ضمیرِ پاکِ او   ایں مئے نوشیں چکید از تاکِ او

کُلّ مومن اخوۃٌ اندر دلش   حریت سرمایۂ آب و گلش

ناشکیبِ امتیازات آمدہ

در نہادِ او مساوات آمدہ

نوعِ انسان کی تخلیق ایک ہی جوہر سے ہوئی ہے۔ لیکن رنگ و نسل کے امتیازات خاندان و قبیلہ کے تعصبات اور جغرافیائی حدود کے پیدا کردہ اختلافات نے اولادِ آدم میں ایسا سخت انتشار اور بغض و عناد پیدا کر دیا تھا کہ ایک انسان دوسرے انسان کا دشمن اور اُس کے خون کا پیاسا ہو گیا تھا ان حالات میں سرورِ کائنات نے نوعِ انسان کو اتحاد اور یگانگت کی دعوت دی اور معجزۂ محمدیؐ نے انسانی قلوب کو اخوت و محبت کی زنجیروں میں اس طرح جکڑ دیا کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت ان زنجیروں کو نہیں کاٹ سکتی۔ یہہ آپؐ ہی کی تعلیم تھی کہ لاکھوں اور کروڑوں انسان جسمِ واحد کی طرح ایک ہو گئے اور ملّت کے تمام اجزا ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے منسلک ہو گئے ---- !

از رسالت صد ہزار ما یک است   [1]جزوِ ما از جزوِ ما لا ینفک است

اقبال نے یہہ بھی محسوس کیا کہ رسالتؐ ہی کی بدولت ہمیں ایک مقصد اور ایک مدّعا حاصل ہوا اور مُدّعا کی وحدت اور وحدت کی پختگی نے ہمیں ملّت کی شکل دے دی۔ یہہ وحدت جو ملّت کی حیات کا باعث ہے درحقیقت اُس دینِ فطرت کی رہینِ منت ہے جس کی تعلیم ہمارے نبیؐ نے ہمیں دی ہے اور جس کے نور سے ہم نے دنیا میں روشنی پھیلا دی ہے یہہ گوہرِ بیش بہا رسالتؐ ہی کے بحرِ بے پایاں سے ہم نے حاصل کیا ہے اور اُسی کے فیض سے ہماری ملّت متحد، مستحکم اور لازوال ہو گئی ہے ---- !

از رسالت ہم نوا گشتیم ما

ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما

کثرت ہم مدعا وحدت شود

پختہ چوں وحدت شود ملّت شود

زندہ ہر کثرت ز بندِ وحدت است

وحدتِ مسلم ز دینِ فطرت است

دینِ فطرت از نبیؐ آموختیم

در رہِ حق مشعلے افروختیم

ایں گہر از بحرِ بے پایانِ اوست

ما کہ یکجانیم از احسانِ اوست

آپؐ نے ملّتِ اسلامیہ کو مقام و مکان کی حدود سے آزادی عطا کی ہے

اور اس جوہر کو سطحِ ارض کے کسی حصّہ سے وابستہ نہیں رکھا ہے۔ آپؐ نے مکّہ سے ہجرت کر کے قوم کے تصوّر سے "وطن" کے عنصر کو خارج کر دیا ہے اور کلمۂ توحید کو اِس کی بنیاد قرار دے کر ایک مِلّت کی تعمیر کی ہے کہ جس کے لئے تمام روئے زمین عبادت گاہ اور ساری دنیا جس کے لئے جولانگاہ بن گئی ہے!

جوہرِ ما با مقامے بستہ نیست
بادۂ تندش بجامے بستہ نیست

عقدۂ قومیتِ مسلم کشود
از وطن آقائے ما ہجرت نمود

حکمتش یک مِلّتِ گیتی نورد
بر اساسِ کلمہ تعمیر کرد

تا ز بخششہائے آں سلطانِ دیں
مسجدِ ما شد ہمہ روئے زمیں

اقبال کی نظر محمّد عربیؐ کے اُس زبردست احسان پر بھی جا پڑی جسکی بدولت مِلّتِ اسلامیہ وقت کی دستبرد سے محفوظ اور زماں کی قیود سے بالاتر ہو گئی ہے۔ آپؐ ہی کے تدبّر سے اِس مِلّت کو حیاتِ جاوید اور آپؐ ہی کی نظر سے بقائے دوام نصیب ہوتی ہے۔ جان اور جسم کے باہمی ربط کے ٹوٹ جانے سے فرد کی موت واقع ہوتی ہے اور مقصدِ حیات کے موجود نہ ہونے سے قومیں

ہلاک ہو جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے سرورِ کائنات نے مِلّتِ اسلامیہ کو ایک اعلیٰ ترین مقصدِ حیات بخشدیا ہے جس کی بدولت وہ وقت کے دھارے اور موت کے پنجۂ آہنی سے محفوظ ہو گئی ہے۔!

زندہ فرد از ارتباطِ جان و تن
زندہ قوم از حفظِ ناموسِ کہن

مرگِ فرد از خشکیٔ رودِ حیات
مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات

از اجل ایں قوم بے پروا ستے
استوار از نحن[1] نزّلنا ستے

تا خدا اَن یُّطفِؤا[2] فرمودہ است
از فسردن ایں چراغ آسودہ است

سرورِ کائنات کے ایسے ہی بے شمار احسانات پر اقبال کی نگاہ پڑتی

---

[1] اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ - یعنی ہم نے اتارا ہے قرآن شریف کو اور تحقیق ہم ہی اُس کے محافظ ہیں۔

[2] یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِہِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ٥ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (یعنی پھونکوں سے) بجھا دیں۔ اور اللہ اپنے نور کو مکمل کرنے والا ہے اگرچہ یہ بات کافروں کو بری لگی۔

جاتی ہے۔ ایک طرف آپؐ کی تعلیمات اور اصلاحات کا وہ مطالعہ کرتے ہیں تو دوسری طرف آپؐ کی پاکیزہ زندگی، اسرارِ حیات اور رموزِ کائنات پر آپؐ کی گہری نظر اور خدائے ذوالجلال کے نزدیک آپؐ کے مقامِ بلند سے ایسے متاثر ہوتے ہیں کہ اُن کی عقیدتمندی بیساختہ پکار اُٹھتی ہے کہ:۔

می توانی مُنکرِ یزداں شدن
منکر از شانِ نبیؐ نتواں شدن

اور پھر غلامانِ محمدیؐ کے مظفّر و منصور کاروان موج در موج اقبال کے تخیّل کے پردۂ سیمیں پر اُمڈنے لگتے ہیں —— یہ کاروان ایک طرف وسطِ ایشیا تک قدم بڑھاتے ہیں اور افغانستان کے پہاڑوں کو عبور کر کے برِّ اعظم ہند پر پھیل جاتے ہیں تو دوسری طرف افریقہ اور اسپین سے گزر کر بحرِ ظلمات میں اپنے گھوڑے ڈال دیتے ہیں —— عشقِ مصطفویؐ کی حرارت اور حوصلہ شکن مشکلات کو برف کی طرح پگھلا دیتی ہے۔ اور عاشقانِ رسولؐ کا پرچم تپتے ہوئے ریگزاروں، چٹیل میدانوں لہلہاتی ہوئی کھیتیوں، حسین سبزہ زاروں، پہاڑوں کی فلک بوس چوٹیوں اور طوفان خیز سمندروں کی مغرور موجوں پر اپنے جلال و جبروت کے ساتھ لہرانے لگتا ہے ——!

ہر کہ عشقِ مصطفیٰؐ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست!

یہی عشقِ مصطفیٰؐ اقبال کے دل میں بھی پیدا ہوتا ہے اور اُن کی زندگی کو سوز و ساز کی لازوال دولت سے مالامال کر دیتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی زندگی کے خاموش ساز میں اسی کے شور کو موجود پاتے ہیں، اسی کے سبب سے بے شمار نغمے ان کی آغوش میں تڑپنے لگتے ہیں اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ اسی معشوق کے آئینہ سے اُن کے پیکر کی تخلیق اور اسی کے آفتابِ سینہ سے ان کی صبحِ زندگی روشن ہوتی ہے۔ اُن کے نزدیک مدینہ کی خاک دونوں جہاں سے زیادہ قیمتی ہے اور وہ شہر بابرکت ہے جس میں اُن کا معشوق موجود ہے ——!

شورِ عشقش در نئے خاموشِ من
می تپد صد نغمہ در آغوشِ من
پیکرم را آفرید آئینہ اش
صبحِ من از آفتابِ سینہ اش
خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

اقبال کی شیفتگی بڑھتی جاتی ہے اور وہ اپنے آقاؐ کو پیام دیتے ہیں کہ مجھے اپنے دربار میں طلب فرما لیجیے کیونکہ میں آپؐ کے ہجر میں نالاں ہوں اور مسلسل نغماتِ درد سے میری روح بے چین ہو گئی ہے ——!

اے کہ وادی کرد را سوزِ عرب
بندۂ خود را حضورِ خود طلب

جاں ز مجبوری بنالد در بدن
نالۂ من وائے من! اے وائے من

بندۂ اندر جہاں نالاں چوں نے
تفتہ جاں از نغمہ ہائے بے بہ بے

یہ عشق شدید تر ہوتا جاتا ہے اور انھیں کسی پہلو قرار نصیب نہیں ہوتا۔ وحشتِ دل فزوں تر ہوتی ہے اور وہ اپنے دل کو بہلانے کے لئے کوہ و صحرا کی طرف نکل جاتے ہیں مگر اس سے اُن کی افسردگی میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ وہ آبجو کے کنارے بیٹھ جاتے ہیں اور زار و قطار رونے لگتے ہیں۔

ندانم دلِ شہیدِ جلوۂ کیست
نصیب او قرارِ یک نفس نیست
بصحرا بُردمش افسردہ تر گشت
کنارِ آبجوئے زار بگریست

اقبالؒ کی نعتؐ — مظاہرِ محبتؐ

— تحریر: راجا رشید محمود

ایمان کی بنیاد عشقِ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہے۔ خداوندِ قدوس و کریم نے اپنے محبوبِ پاک کی تعریف و ثنا کی، انہیں مختلف خطابات سے پکارا، ان پر درود بھیجنے کو اپنا اور فرشتوں کا وطیرہ قرار دیا اور اہلِ اسلام کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا پر درود و سلام کے پھول نچھاور کریں۔ خالق و مالکِ کائنات نے نہ صرف انہی لوگوں کو مومن کہا ہے جو ہر معاملے میں سرکار کو اپنا حکم تسلیم کریں، جس نے ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ گردانا اور اُن کی بیعت کو اپنی بیعت فرمایا اور یہ بھی کہا کہ جو شخص مجھ سے محبت کا دعوے دار ہو، وہ حضورِ پُرنور کی اتباع کرے تو میں اس سے محبت کرنے لگوں گا — پھر سرکارِ دو عالم نورِ مجسم ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی وضاحت فرما دی۔ وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ (۱) کے مصداق سرکار کا فرمان کبریا کا فرمان ہے۔ سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا کہ مجھے اپنے والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب و محترم نہ رکھنے والا صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتا۔

جب اس معاملے میں کتاب و سنت کی تعلیمات واضح ہیں، جب اساسِ ایمان کی تشکیل خدا اور رسولِ خدا نے خود کر دی تو ہر وہ فرد جو حلقۂ ایمان میں آتا ہے، عشقِ رسولؐ سے آگاہ ہی ہوتی ہے اور وہ اسلام کی برکات سے متمتع ہونے کا قصد کرتا ہے پھر وہ آدمی اِس راہ سے کیسے بھٹک سکتا ہے جس کا گھریلو ماحول دینی ہو، جس کے والد نے اس کی تشکیلِ سیرت پر خصوصی توجہ دی ہو، جس نے اسلامیات کی فاضل شخصیتوں سے استفادہ کیا ہو، پھر تعلیماتِ دین کے تناظر میں کائنات اور اسرارِ کائنات کی چھان بین کی ہو، مغرب کے علوم کی غواصی

کرتے ہوئے بھی ارشاداتِ رسولِ پاک کی آکسیجن نے اسے زندہ رکھا ہوا اور وہ پہلے کی طرح اس بحرِ ظلمات سے بھی منور و منوّر ہی باہر آیا ہو۔ اس کے ایمان کی بنیاد میں جو مٹی گارا استعمال کیا گیا تھا، اس کے باعث وہ کفر و الحاد کے جھکڑوں اور مغربیت کے گردبادوں سے محفوظ و مامون رہا۔ غیر اسلامی تہذیب و تمدن کی چکاچوند سے بھی اس کی آنکھیں نہ چندھیائیں، زمانے کے نشیب و فراز اور حالات کی ناسازگاری نے بھی اس کے کردار کی پختگی پر کوئی کامیاب حملہ نہ کیا۔

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

شاعرِ مشرق حکیم الامت علامہ اقبال نے عشقِ رسولِ مقبول کو اپنی زندگی کا جزوِ لازم بنالیا تھا، اُنھوں نے انسانیت اور اس کے شرف کا ذکر کیا ہے، اسلام اور اُس کے شعائر کا تذکرہ چھیڑا ہے، ملحدانہ افکار و نظریات کی تغلیط کی ہے، دنیا کو فلسفے کی نئی جہتوں سے آشنا کیا ہے اور اسلامیانِ ہند یا مسلمانانِ عالم کو سرفرازی کی راہیں سجھائی ہیں ——— اور اس میں عشقِ مصطفیٰ کے جذبے کو رہنما بنایا ہے اور ذوق کے اس پہلو سے تعمیر کے سارے پہلوؤں کو آشکار کیا ہے۔

حضورِ پُرنور شافعِ یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے حوالے سے علامہ اقبال کی طبیعت میں سوز و گداز تھا، رسولِ انام علیہ السلام کے ذکر میں ان کی دردمندی ہر سچے عاشقِ رسول کی طرح ضرب المثل بن گئی ہے۔ وہ سرکار کی محبت میں اس قدر سرشار تھے کہ جونہی ذکرِ خیر الانام چھڑتا، ان کی آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔

فقیر سید وحید الدین "روزگارِ فقیر" حصہ اول میں لکھتے ہیں:

"ذاتِ رسالتمآب کے ساتھ انہیں جو والہانہ عقیدت تھی، اس کا اظہار اُن کی چشمِ نمناک اور دیدۂ تر سے ہوتا تھا۔" (ص ۹۴)

"ملفوظاتِ اقبال" میں مرزا جلال الدین بیرسٹر رقم طراز ہیں:

"وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا" سنتے ہی ان کا دل بھر آتا اور وہ اکثر بے اختیار رو پڑتے و

بڑودہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر وحید اشرف کہتے ہیں۔

"اقبال کے اشعار میں اسلام کا فلسفۂ حیات مضمر ہے لیکن بیان فلسفۂ فلسفہ نہیں رہ جاتا بلکہ عشقِ رسول کے جذبے میں ڈھل کر شعر کا پیکر اختیار کرتا ہے۔ جس کے بغیر اقبال کی شاعری مجرّد فلسفہ ہو کر رہ جاتی۔"

(المیزان بمبئی، امام احمد رضا نمبر ص ۵۶ھ)

ڈاکٹر فرمان فتحپوری اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ:

"ان کے فکر و فن کا نقطۂ آغاز بھی رسالت ہے اور نقطۂ ارتقا و اتمام بھی رسالت ہے۔"

(اردو کی نعتیہ شاعری ص ۷۵)

پروفیسر ڈاکٹر امانت، واڈیا کالج پونہ (بھارت)، کہتے ہیں:

"اقبال کی شاعری دراصل رسولِ کریم کے اُسوۂ حسنہ کی آئینہ دار ہے جو منطقی، حکیمانہ، ادیبانہ اور شعری دلآویزیوں کے ساتھ نغمۂ حیات بن کر زندگی کا پیغام پہنچا رہی ہے۔"

(سہ ماہی نوائے ادب بمبئی۔ اکتوبر ۱۹۷۵ء)

فقیر وحید الدین کی گواہی ہے کہ:

"ڈاکٹر صاحب کا دل عشقِ رسول نے گداز کر دیا تھا۔ زندگی کے آخری زمانے میں تو یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آجاتا تھا تو ڈاکٹر صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے تھے۔"

(اقبال بڑا اُپدیشک، مرتبہ شمیم حیات سیال۔ ص ۷۲)

علامہ اقبال کے ارتحال سے چند دن پہلے مولانا غلام مرشد زیارت کے لیے گئے تو دیکھا کہ "علامہ کے لبوں سے حضور کا ورد جاری تھا اور ان کی نگاہیں اشکبار تھیں"

(فکر و نظر اسلام آباد۔ اقبال نمبر حصہ دوم ۱۹۷۸ء ص ۶۴)

ایک دفعہ انہیں مضطرب دیکھ کر حکیم احمد شجاع نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا:
"احمد شجاع! میں یہ سوچ کر اکثر مضطرب اور پریشان ہو جاتا ہوں کہ کہیں میری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سے زیادہ نہ ہو جائے"

خدا نے اس عاشق رسول کی اس تمنا اور دعا کو قبول فرمایا یعنی اقبال ۶۱ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ (روزگار فقیر جلد دوم۔ ص ۷۲)

باعث تخلیق دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا یہ جذبہ اقبال کے رگ و پے میں یوں سرایت کر گیا تھا کہ حضور کی تعریف کرتے تو روتے، سرکار کا ذکر سنتے تو کیفیت طاری ہو جاتی۔ اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کہتے ہیں کہ
"جب عاشقان رسول ﷺ کا تذکرہ کرتے، اس وقت بھی آبدیدہ ہو جاتے"

(البصیر کراچی۔ مئی ۱۹۶۷ء۔ ص ۶۷)

کبھی اپنی بے بضاعتی پر غور کرتے تو سرکار کے حضور حاضری کے خیال سے کانپ اٹھتے۔ اسی کیفیت میں کہا ہے کہ:

بپایاں چوں رسد ایں عالم پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضور خواجہ ما را
حساب من ز چشم او نہاں گیر (ارمغان حجاز ص ۲۳)

فقیر سید وحید الدین کہتے ہیں کہ جب علامہ گول میز کانفرنس سے واپس آئے تو میرے والد نے انہیں کہا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ واپسی پر روضۂ اطہر کی زیارت سے بھی

آنکھیں نورانی کر لیتے۔ یہ سنتے ہی ان کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ چہرے پر زردی چھا گئی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ چند لمحے تک یہی کیفیت رہی۔ پھر کہنے لگے "فقیر! میں کس منہ سے روضۂ اطہر پر حاضر ہوتا" (روزگار فقیر، جلد اول ص ۳۶، ۳۷)

کبھی اقبال اپنے آپ سے نظر ہٹا کر سرکار کے کرم پر نگاہ کرتے ہیں تو دراقدس پہ حاضری کی تمنا کو زبان دے دیتے ہیں۔ سید غلام میراں شاہ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:
"میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ حضور کے روضۂ مبارک پر یاد بھی کیا جاؤں تاہم حضور کے اس ارشاد سے جرأت ہوتی ہے کہ فرمایا الطالح لی (گنہگار میرے لیے ہے)" (اقبال نامہ حصہ اول، ص ۲۲۸)

میر غلام بھیک نیرنگ علامہ اقبال کے سرکار سے قلبی تعلق کے پیش نظر اور حضور کے ذکر میں ان کی دگرگوں حالت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ:
"میں نے ان کے سامنے تو نہیں مگر خاص لوگوں سے بطور راز ضرور کہا کہ یہ اگر حضور کے مرقد پاک پر حاضر ہوں گے تو زندہ واپس نہیں آئیں گے، وہیں جاں بحق ہو جائیں گے" (اقبال لاہور۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء ص ۲۰)

اقبال خود بھی مدینہ طیبہ میں حاضری کی انہی معنوں میں تمنا کرتے رہے۔ عرض حال سے پہلے، جہاں ندامت کرتے ہیں کہ میرا دامن عمل سے خالی ہے مگر آپ کی بے پایاں رحمت اور بے کراں کرم نے مجھے جرأت اظہار تمنا بخشی ہے۔ آپ نے بُصیری کو جذام سے نجات دی اور آپ دو جہاں کے لیے رحمت ہیں، میرے ستارے کو بھی بلندی عطا فرمائیے کہ مجھے مدینہ پاک میں موت آئے اور میرے مرقد کو آپ کا سایۂ دیوار نصیب ہو۔

ہست شان رحمتت گیتی نواز
آرزو دارم کہ میرم در حجاز
کوکبم را دیدۂ بیدار بخش
مرقدے در سایۂ دیوار بخش (اسرار و رموز)

جو شخص حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقامِ بلند کے بارے میں جان لے گا وہ زندگی بھر بھی انہی کی رحمت چاہے گا اور انہی کے سایۂ رحمت میں موت کی خواہش بھی کرے گا۔ ۱۴ جنوری ۱۹۲۳ء کے ایک مکتوب میں علامہ اقبال لکھتے ہیں

"میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے۔"

(فیضانِ اقبال مرتبہ شورش کاشمیری۔ ص ۲۸۷)

بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی کہ اقبال کا یہ عقیدہ تھا، اس کا عمل بھی یہی تھا۔ —— اس پر سرکار نے کرم بھی کیا۔ ۱۲ جون ۱۹۳۶ء کو پروفیسر الیاس برنی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"۳، اپریل کی رات ۳ بجے کے قریب میں نے سر سید کو خواب میں دیکھا، پوچھتے ہیں، تم کب سے بیمار ہو، میں نے عرض کیا، دو سال سے اوپر مدت گزر گئی، فرمایا۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرو۔ میری آنکھ اسی وقت کھل گئی اور اس عرضداشت کے چند شعر، جواب طویل ہو گئی ہے، میری زبان پر جاری ہو گئے۔ ..... ۴، اپریل کی صبح سے میری آواز میں کچھ تبدیلی شروع ہوئی۔ اب پہلے کی نسبت آواز صاف تر ہے اور اس میں وہ رنگ عود کر رہا ہے جو انسانی آواز کا خاصہ ہے۔"

(اقبال نامہ حصہ اول، ص ۴۱۴) - ۲۹ جون ۱۹۳۶ء کو سر سید کے پوتے سر راس مسعود کے نام ایک خط میں بھی یہی ذکر ملتا ہے (خطوطِ اقبال، مرتبہ رفیع الدین ہاشمی۔ ص ۲۶۳)

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا۔

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیے
اصلِ مراد حاضری اس پاک در کی ہے

"ارمغانِ حجاز" میں علامہ کا بھی یہی موقف ہے:

در آں دریا کہ اُو را ساحلے نیست
دلیلِ عاشقاں غیر از دلے نیست
تو فرمودی رہِ بطحا گرفتیم
وگرنہ جُز تو ما را منزلے نیست

۱۳ جون ۱۹۳۷ء کو سر اکبر حیدری کے نام ایک خط میں بھی لکھتے ہیں:

"میرا ہر بُنِ مُو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہے اور میری روح ایک بھرپور اظہار کی طالب ہے۔ جو صرف آپ کے مزارِ اقدس پر ہی ممکن ہے۔ اگر خدا نے مجھے توفیق بخشی تو میرا حج اظہارِ تشکر کی ایک شکل ہو گی۔"

(خطوطِ اقبال۔ ص ۲۷۸)

حضراتِ محترم! —— سورج تو مغرب میں غروب ہوتا ہی ہے، اقبال اس کی غایت پر غور کرتے ہیں تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ:

عظمت ہے خاص پاک مدینے کی خاک کو
خورشید بھی گیا تو وہاں سر کے بل گیا

علامہ اقبال کا کوئی بھی مجموعۂ کلام دیکھ لیں، ان کے مکاتیب پر نظر دوڑائیں، ان کے ملفوظات کا مطالعہ کریں، ان کے پاس اُٹھنے بیٹھنے والوں سے ان کے شب و روز کے بارے میں پوچھیں —— محسنِ انسانیت ہادیٔ سبل، ختم الرسل، مولائے کل صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و ارادت کی مختلف شکلیں سامنے آئیں گی۔ "بانگِ درا" میں انسان کے شکوے کے جواب میں خدا کہتا ہے کہ:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

"پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" میں علامہ محمد بن سعید بوصیریؒ کے حوالے سے اقبال بارگاہِ رسولِ مقبولؐ میں صحت طلبی کے لیے لب کھولتے ہیں۔

چوں بُصیری از تو می خواہم کشود
تا بہ من باز آید آں روزے کہ بود

"بالِ جبریل" میں اقبال فلسفۂ معراج پر خامہ فرسائی کرتے دکھائی دیتے ہیں:

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

اسی مجموعے میں یہ زبان زدِ خاص و عام شعر بھی ہیں:

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اقبال کی نعت گوئی پر کسی مفصل گفتگو یا ان کے عشقِ رسولؐ کی جزئیات پر بات چیت کے بجائے آج میں صرف بہ اجمال اُن کی ایک نظم کا تذکرہ کرتا ہوں۔ یہ نظم اُنھوں نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے اجلاس میں "ابرِ گہر بار" کے عنوان سے پڑھی تھی، بعد میں "فریادِ اُمت" کے نام سے چھپی۔ اس میں کبھی تو صدمۂ ہجر کی لطف انگیزیوں کے ناز اُٹھاتے ہیں:

صدمۂ ہجر میں کیا لطف ہے اللہ اللہ
یہ بھی اک ناز ہے تیرا، نہ اُٹھاؤں کیونکر

کبھی اس صدمے کے باعث زندگی سے پشیماں دکھائی دیتے ہیں:

دور رہتا ہوں کسی بزم سے اور جیتا ہوں
یہ بھی جینا ہے کوئی، جس سے پشیماں ہوں میں

کبھی اپنے قلب میں جھانکتے ہیں تو اس کی رفعتوں پر حیرت زدگی کے عالم میں متحیر ہوتے ہیں۔

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سودا اپنا
دل کسی اور کا دیوانہ، میں دیوانۂ دل
عرش کا ہے، کبھی کعبے کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی مرا کاشانۂ دل

اور پھر سیدِ مکی مدنی العربی سے مدد کی درخواست کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مئے عرفاں سے مرا کاسۂ دل بھر جائے
میں بھی نکلا ہوں تری راہ میں سائل ہو کر

پھر عشقِ رسولؐ کے جذبے کی شدت یہ انداز اختیار کرتی ہے،

تری اُلفت کی اگر ہو نہ حرارت دل میں
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا
قابَ قوسین بھی، دعویٰ بھی عبودیت کا
کبھی چلمن کو اُٹھانا، کبھی پنہاں ہونا
یہی اسلام ہے میرا، یہی ایماں میرا
ترے نظارۂ رخسار سے حیراں ہونا

جی تو چاہتا ہے کہ اس نظم کے اسرار و رموز میں بعض پر اپنے فہم کے مطابق گفتگو کروں لیکن ڈر ہے کہ شرح کی کوشش میں کہیں نظم کا لطف ہی غارت نہ ہو جائے۔ اس لیے صرف علامہ اقبال ہی کو سنیے،

حشر میں ابرِ شفاعت کا گہر بار آیا
دیکھ اے جنسِ عمل، تیرا خریدار آیا
پیرہنِ عشق کا جب حُسنِ ازل نے پہنا
بن کے یثرب میں وہ آپ اپنا خریدار آیا
میں نے سو گلشنِ جنت کو کیا اس پہ نثار
دشتِ یثرب میں اگر زیرِ قدم خار آیا

اور

ما عرفنا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری
قاب قوسین سے کھلتی ہے حقیقت تیری
تیرے قرباں میں اے ساقیٔ میخانۂ عشق
میں نے اک جام کہا، تو نے دیے خم مجھ کو
موت آجائے جو یثرب کے کسی کوچے میں
میں نہ اُٹھوں جو مسیحا بھی کہے قُم مجھ کو
خوف رہتا ہے یہ ہر دم کہ رہِ یثرب میں
طور کی سمت نہ لے جائے توہم مجھ کو

اب علامہ اقبال قوم کی حالت بیان کرنا چاہتے ہیں، آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء سے استمداد کی درخواست کرنے والے ہیں ـــــ اس لیے سرکار کو اُن کے لطف و کرم کے حوالے سے پکارتے ہیں:

اے کہ تھا نوحؑ کو طوفاں میں سہارا تیرا
اور ابراہیمؑ کو آتش میں بھروسا تیرا
اے کہ مشعل تھا ترا ظلمتِ عالم میں وجود
اور نورِ جبہۂ عرش تھا سایہ تیرا

اے کہ پرتو ہے ترے ہاتھ کا مہتاب کا نور
چاند بھی چاند بنا، پا کے اشارہ تیرا
گرچہ پوشیدہ رہا حُسن ترا پردوں میں
ہے عیاں معنیٔ لولاک سے پایہ تیرا
ناز تھا حضرتِ موسیٰؑ کو یدِ بیضا پہ
سو تجلّی کا محل نقشِ کفِ پا تیرا
چشمِ ہستی صفتِ دیدۂ اعمیٰ ہوتی
دیدۂ کُن میں اگر نور نہ ہوتا تیرا

اس کے بعد اقبال قوم کے حالِ زار کا نقشہ کھینچتے ہیں، امرا اور واعظین کی کمزوریاں گنواتے ہیں اور آخر میں اس یقین کا اظہار کرتے ہیں کہ ہر مصیبت سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی رہائی دلا سکتے ہیں اور ان کے سوا کون ہے، جس کے آگے یہ رونا رویا جائے؛

اس مصیبت میں ہے اک تو ہی سہارا اپنا
تنگ اگر لبِ فریاد ہوا وا اپنا
دیکھ اے نوحؑ کی کشتی کے بچانے والے
آیا گرداب حوادث میں سفینہ اپنا
اس مصیبت میں اگر تو بھی ہماری نہ سُنے
اور ہم کس سے کہیں جا کے فسانہ اپنا
یوں تو پوشیدہ نہ تھی تجھ سے ہماری حالت
ہم نے گھبرا کے مگر تذکرہ چھیڑا اپنا
داستاں درد کی لمبی ہے، کہیں کیا تجھ سے
ہے ضعیفوں کو سہارے کی تمنا تجھ سے

(باقیاتِ اقبال)

آپ جانتے ہیں کہ علامہ اقبال ابنائے اسلام کو انفرادی طور پر اور اجتماعی حیثیت سے کمزور، بے پایاں اور سرنگوں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ چاہتے دیں کے لیے کمربستہ رہے، وہ مسلمان کو شاہین کی صورت میں بلند پرواز دیکھنا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس میں نظم و ضبط، عزم و استقلال، استقامت و ایثار، فقر و غیرت، خودی و خودداری صرف اسی طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ اس کا دل عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے مملو ہو جائے، اس کا دماغ عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا قائل ہو اور اس کی روح رحمتِ مصطفیٰ سے سرشار ہو جائے۔ اس کے لیے وہ خالقِ کائنات کے کلام کی رو سے، کائنات اور تخلیقِ کائنات کے حوالے سے اور حالاتِ زمانہ کے اعتبار سے عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا درس دیتے ہیں۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی، تمام بولہبی ست

خدا کرے، ہم اقبال کے اس درس کو روح و جاں میں بسالیں اور کائنات کو عشق کے اس پیغام سے منوّر کر دیں۔ آمین۔

اقبالؒ اور عشقِ رسول ﷺ

تحریر: سید اعظم رضوی

عارفِ رومی جن سے کلام کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ اپنے آپ کو مریدِ ہندی اور انہیں پیرِ رومی سے مخاطب ہوتے ہیں نے کتنے بلیغ پیرائے میں عشق کے اسرار و رموز سے آگاہ کیا ہے آپ فرماتے ہیں

جسمِ خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد
جملہ معشوق است و عاشق پردہ
زندہ معشوق است و عاشق مردہ
علتِ عشق ز علتہائے جداست
عشق اصطرلابِ اسرارِ خداست

اور پھر اسی مثنوی میں آگے فرماتے ہیں۔

عشق زندہ در رواں در بصر
ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر
عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء
یافتند از عشقِ او کار و کیا

عشق آں زندہ گزیں کو باقی ست
کو شرابِ جانفزایت ساقی ہست

پیر رومی کا جو مقام مرید ہندی کے دل میں تھا وہ جا بجا ان کے قلم سے ظاہر بھی ہوگیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت علامہ مرحوم رومی کے فلسفۂ عشق سے بے پناہ متاثر نظر آتے ہیں۔ خود "علم و عشق" کا تقابل کرتے ہوئے بڑے خوبصورت پیرائے میں فرماتے ہیں۔

علم نے مجھ سے کہا عشق دیوانگی ہے عشق نے کہا علم محض وہم و گمان ہے معرکہ کائنات میں جوش و ولولہ عشق کی بدولت ہے علم تو صرف صفات کے متعلق ہی معلومات دے سکتا ہے اسی نظم میں آگے چل کر بہت ہی خوبصورت انداز سے فرمایا کہ بادشاہی، درویشی اور دین یہ سب عشق کے معجزات ہیں۔

عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں
عشق کے ادنیٰ غلام صاحبِ تاج و نگیں
عشق مکان و مکیں! عشق زمان و زمیں
عشقِ سراپا یقین اور یقین فتح باب

عشق دراصل محبت کے اسی درجۂ کمال کا نام جہاں محب اپنے محبوب کی ذات میں اس قدر مدغم ہو جاتا ہے کہ اسے سوائے محبوب کے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اور اس کے دل سے پھوٹنے والے محبت کے چشمے صرف ایک رخ۔ محبوب کے رُخ پر بڑی روانی شدت اور تیزی سے بہنے لگتے ہیں اس کی تمام تر کاوشوں کا محور اور خوشنودی کا حاصل صرف اور صرف محبوب کی رضا ہی ہوتی ہے اقبال کا فلسفۂ عشق اور رسول اللہ سے محبت اور پھر اس کا والہانہ انداز بیان اس حقیقت کا مظہر ہے

کہ کس طرح علامہ مرحوم تذکرہ رسول اللہ پر پُرنم ہو جاتے تھے۔ اور شدتِ جذبات سے گلا رندھ جاتا یہاں تک کہ آپ کئی لمحوں بات نہ کر پاتے تھے۔ اقبال کی شاعری عام روایات شاعری سے بالکل الگ تھلگ ہے یہی وجہ ہے وہ اکثر اس خدشے کا اظہار کرتے رہتے۔ کہ قوم انہیں شاعر سمجھ کر ان کے کلام کو ضائع نہ کر دے آپ خود کہتے ہیں۔

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ

جناب ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم فکرِ اقبال میں تحریر فرماتے ہیں۔

اقبال کے نزدیک عشق کی بہترین مثال رسولِ کریمؐ کی زندگی ہے جس میں خلوت و خلوت کا توازن پایا جاتا ہے عقل جلوت کی طرف کھینچتی ہے عشق خلوت کی جانب لیکن زندگی کی تکمیل دونوں کے توازن سے ہوتی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ رسول اللہؐ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اندرونِ خانہ سے لے کر بیرونِ زندگی تک صرف اور صرف رضائے الٰہی اور خوشنودی تبارک تعالیٰ تھا۔ ہم جب ایک عاشقِ رسولؐ کی حیثیت سے علامہ اقبال مرحوم کو دیکھتے ہیں تو جناب فقیر سید وحید الدین کے الفاظ سامنے آجاتے ہیں آپ "روزگارِ فقیر" میں تحریر فرماتے ہیں۔

• ڈاکٹر صاحب کا دل عشقِ رسولؐ نے گداز کر رکھا تھا زندگی کے آخری زمانے میں تو یہ کیفیت اس انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ رسول اللہ کا نام آتے ہی ہچکیاں بندھ جاتیں آواز بھرا جاتی اور کئی کئی منٹ مکمل سکوت طاری ہو جاتا ہے!

دراصل ڈاکٹر اقبال مرحوم کی زندگی کا نمایاں پہلو عشقِ رسولؐ ہی تھا۔ آپ

ہنگامۂ زمانہ سے تنگ آ کر دل برداشتہ ہو جاتے ہیں پھر سفرِ تخلیل پر روانہ ہوتے ہیں

گراں جو مجھ پر یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کر رختِ سفر روانہ ہوا
قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن
نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا
فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھ کو
حضورِ آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو

علامہ مرحوم کی طبیعت کا یہ سوز و گداز یہ شدت یہ کرب اور تڑپ یہ فراق میں گریہ وزاری یہ وصل کا جذب و شوق یہ سب عشقِ رسول اللہ کا ہی مرہونِ منت ہے اور جناب ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب کے آپ "فکرِ اقبال" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"عشق انسان کے اندر بصیرت اور قوت دونوں کا اضافہ کرتا ہے اسے اسی حقیقت سے آشنا کرتا ہے جو زمانی اور مکانی نہیں"۔

اور واقعی اقبال کے بصیرت افروز مضمون دیکھ کر بلا مبالغہ ہم اسے اگر الہامی کلام سے تعبیر کریں تو غلط نہ ہو گا۔

عشقِ حقیقی نے جو حدت اور تڑپ ان کے کلام میں پیدا کی وہ قاری پر براہِ راست اثر کرتی ہے۔ بقول غالب ؎

دل سے تیری نگاہ جگر تک اتر گئی

اور حقیقت در اصل یوں ہے کہ سیرتِ پاکؐ کے غائر مطالعے اور قرآن مجید پر مکمل عبور پانے کے بعد ہی اقبال مرحوم اس بلند مرتبے پر پہنچے کہ آج ہم انہیں عاشقانِ رسولؐ کی صف میں دیکھتے ہیں رسولؐ خدا سے محبت کا اظہار اقبال کے اکثر اشعار میں

ملتا ہے۔ اپنی نظم "شفاخانۂ حجاز" میں اپنے دل کی بیقراری اور زمینِ حجاز میں مرنے کی طلب کا ذکر بڑے خوبصورت پیرائے میں کرتے ہیں ایک پیشوائے قوم کی طرف سے خود سے مخاطب ہیں کہ تو اپنے آپ کو دیوانۂ حجاز کہتا ہے ذرہ دستِ جنوں بڑھا شفاخانے کی تعمیر کے سلسلے میں مدد کر اقبال کا جواب بھی ملاحظہ فرمایئے سبحان اللہ بندہ مومن کی یہ ہی شان ہے۔

میں نے کہا موت کے پردے میں ہے حیات
پوشیدہ جس طرح ہو حقیقت مجاز میں
تلخابۂ اجل میں جو عاشق کو مل گیا
پایا نہ خضر نے مئے عمرِ دراز میں
اوروں کو دیں حضور یہ پیغامِ زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں زمینِ حجاز میں
آئے ہیں آپ لے کے شفا کا پیام کیا
رکھتے ہیں اہلِ درد مسیحا سے کام کیا

اقبال کو سرورِ کونینؐ سے والہانہ عشق و محبت اور جوشِ عقیدت اس انتہا درجے تک تھی کہ جاوید اقبال رقمطراز ہیں۔

"میں نے اماں جان کی موت پر بھی انہیں آنسو بہاتے نہیں دیکھا مگر قرآن مجید سنتے وقت یا کوئی شعر پڑھتے وقت یا رسول اللہ کا اسمِ مبارک نوکِ زبان پر آتے ہی ان کی آنکھیں بھر آتیں"۔

یہاں مجھے رسول اللہ صلعم کا وہ ارشادِ مبارک یاد آتا ہے۔

تم میں سے کوئی ایمان میں اس وقت تک پختہ نہیں ہو سکتا جب تک میری محبت اس کے دل میں اس کے باپ بیٹے اور تمام انسانوں سے بڑھ کر راسخ نہ ہو

جائے (حدیث شریف) از بخاری شریف

رسول اللہ سے آپ کے عشق کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی۔ کہ جب آ
سے خدا کے وجود کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے کہا کہ یہ بات ہم نے محمدؐ
سنی ہے۔ اور آپ نے اپنی زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

اسی طرح ایک دفعہ کسی نے دیدارِ رسولؐ کے بارے میں پوچھا ڈاکٹر صاحب
نے جواب دیا کہ سنّتِ نبویؐ کی پیروی کرو اور جب رسولِ پاک کی سیرتِ پاک پر
عملاً کاربند ہو جاؤ تو خود کو دیکھو یہ ہی دیدار ہے۔

جاوید نامہ میں فرماتے ہیں:

معنیِ دیدارِ آں آخر زماں
حکمِ او بر خویشتن کردن رواں
در جہاں زی چوں رسولؐ انس و جاں
تا چو او باشی قبولِ انس و جاں
باز خود را بیں ہمیں دیدار اوست
سنّتِ او سرّے از اسرارِ اوست

اسی ضمن میں مولانا مودودی صاحب کا رقم کیا ہوا ایک واقعہ یاد آیا مولا
صاحب لکھتے ہیں کہ علامہ مرحوم نے پنجاب کے کسی رئیس کے گھر قیام کیا اس نے
آپ کی خاطر تواضع اور آرام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا شب گزارنے کے لیے
پرتکلف کمرے میں خوب آرام دہ بستر کا بندوبست کیا نرم اور قیمتی بستر پر لیٹے ہی
علامہ کو خیال آیا کہ رسالت مآبؐ نے جو دو جہاں کے بادشاہ ہیں ساری عمر بوریے
پر گزار دی۔ یہ خیال آنا تھا کہ ہچکی بندھ گئی فوراً اٹھ گئے اپنے ذاتی ملازم علی بخش کو حکم
دیا کہ ان کا اپنا بستر غسل خانے میں بچھا دے۔ اور پھر جب تک وہاں رہے مستقل غسل

میں قیام کیا۔ کیا عشق تھا وہ کیا عشق کی صداقت تھیں کہ علامہ مرحوم عملاً عاشقِ رسولؐ
تھے آپ نے یہ اشعار جو سرورِ کائنات صلعم کے حضور نذرانۂ عقیدت کے طور پر
پیش کرتے ہیں اس دیوانۂ حجاز کی سرشاری اور جذبِ عشق میں ڈوبی ہوئی حقیقت
کے غمازی ہیں۔

وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں اگر تم اعلیٰ مقاصد کے حصول کی آرزو رکھتے ہو تو اس
کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے۔ اور وہ یہ کہ تم اللہ کی اطاعت میں خود کو
دے دو اور عشقِ رسولؐ میں ڈوب جاؤ پھر تم وہ مقامِ بلند حاصل کرنے میں کامیاب
ہو جاؤ گے۔ جس کا تم تصوّر بھی نہیں کر سکتے "جاوید نامہ" میں یہ نکتہ اور بھی دلچسپ
انداز سے بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں جہاں کہیں بھی دنیائے رنگ و بو کا ظہور
ہے اور گرد و پیش پروان چڑھتی ہوئی نظر آتی ہیں جان لو کہ یہ نورِ مصطفیٰؐ کا مظہر
ہے یا پھر انہیں نورِ مصطفیٰؐ کی تلاش ہے۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

اقبال نے ارتقائے انسانی کے لئے عشقِ رسولؐ کو ایک ضروری امر قرار دیا ہے
آپ کہتے ہیں کہ دنیائے رنگ و بو میں پھیلے ہوئے مظاہرِ فطرت کی رعنائی یہ عشق و مستی

سوز و ساز یہ سب رسالت مآبؐ کے انوار مبارکہ کے مظہر ہیں۔

می ندانی عشق و مستی از کجاست ؟

ایں شعاعِ آفتابِ مصطفیٰؐ است

بانگِ درا میں حضور رسالت مآب یوں فرماتے ہیں، دنیا میں کہیں آسودگی و آرام نہیں ملتا۔ مجھے جس زندگی کی تلاش ہے جس سکوت کی چاہت ہے وہ ناپید ہے اس چاہت اور طلب میں ہزاروں لالہ و گل جستجو میں ہیں لیکن جس گل میں وفا کی بُو ہے وہ نظر نہیں آتی۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

حضورؐ دہر میں آسودگی نہیں ملتی

تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں

وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی

سچا عشق جذبہ صادق سے جنم لیتا ہے اور صادق عاشق وہ ہے جو معشوق کی ایک ایک دھڑکن سے کما حقہ طور پر واقف ہو جس کے لب ترانۂ محبوب کے سوا کچھ اور گنگنا ہی نہ سکتے ہوں عارف رومی فرماتے ہیں۔

تشنگیش از نام او ساکن شدے

نامِ یوسف شربتِ باطن شدے

ہر کسے را ست ور دل صد مُراد

ایں نباشد مذہب عشق و دمُراد

یار آمد عشق را روزِ آفتاب

آفتاب آں روئے را ہمچوں نقاب

ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی "اقبال اور محبتِ رسولؐ" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"عشق تکمیل ذات کے لئے تسخیری عمل پر مستعد رکھتا ہے اس لئے تمام فطری اور عمرانی رکاوٹوں پر غالب آتا ہے یہ عشق کا جذبہ حبِ خدا اور حبِ رسولؐ سے میسّر آتا ہے۔"

اسی چیز کو حضرت علامہ مرحوم شعر کی زبان میں یوں ادا کرتے ہیں۔

سوز صدیقؓ و علیؓ از حق طلب

ذرہ عشقِ نبیؐ از حق طلب

عشق نبی کریمؐ جو اقبال کے رگ و پے میں خون بن کر دوڑ رہا تھا اور انہیں ایک پل چین سے نہ بیٹھنے دیتا تھا۔ اس بارے میں فقیر وحید الدین صاحب اپنی کتاب "روزگار فقیر" میں عبدالقیوم شہید کا تذکرہ تفصیلاً کرتے ہیں جس نے "نتھو رام" کی کتاب "تاریخ اسلام" میں رسول اللہؐ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی سزا کے طور پر پے در پے خنجر کے وار کر کے جہنم واصل کر دیا تھا اس مقدمے کی پیروی مسلمانوں نے ہائیکورٹ تک کی کہ کسی طرح عبدالقیوم شہید کی سزا موت سے بدل کر عمر قید میں تبدیل ہو جائے جب کوئی چارہ نہ رہا تو ایک وفد کراچی سے لاہور علامہ اقبال مرحوم کی اقامت گاہ پر حاضر ہوا تفصیلاً تمام روداد بیان کی اور درخواست کی کہ آپ بذات خود وائسرائے سے ملیں اور سزا میں تخفیف کروائیں یہ گفتگو سن کر علامہ گہری سوچ میں ڈوب گئے لوگ مضطرب و منتظر تھے، اُمید تھی کہ جواب حق میں ہی ہوگا چونکہ معاملہ ایک عاشقِ رسولؐ کا ہے اور یہ بھی دوسرے عاشقِ رسولؐ کے رو برو ہوا ہے چند لمحوں بعد علامہ نے سکوت توڑا اور پوچھا کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے وفد کے ارکان نے نفی میں جواب دیا اور کہا وہ تو بغیر لاگ لپیٹ کے یہ کہتا ہے "میں نے شہادت خریدی ہے مجھے پھانسی سے بچانے کی کوشش

ست کرو۔

یہ جواب سنتا تھا کہ علامہ کا لہجہ سخت ہوگیا اور فرمایا۔ جب وہ خود یہ کہہ رہا ہے میں نے شہادت خریدی ہے تو میں اس کے راستے میں کیسے حائل ہو سکتا ہوں کیا تم چاہتے ہو ایسے مسلمان کے لئے وائسرائے کی خوشامد کروں جو زندہ رہا تو غازی اور مرگیا تو شہید ہے۔ جناب فقیر سید وحید الدین صاحب کے الفاظ میں۔

"علامہ کے لہجے میں اس قدر تیزی اور سختی تھی کہ وفد کے ارکان اس سلسلے میں کچھ اور کہنے کی جرأت نہ کر سکے"۔

ملفوظاتِ اقبال' میں مرزا جلال الدین بیرسٹر تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ مرحوم "خواجہ حالی مرحوم کی مسدس کے تو عاشق تھے میرے پاس ریاست ٹونک کا ایک ملازم تھا جو ستار پر مسدس حالی ایک خاص طرز سے سنایا کرتا تھا۔ علامہ ہر دوسرے تیسرے بڑے التزام سے سنتے اور خصوصاً وہ بند

وہ نبیوں میں رحمت کا لقب پانے والے

مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

بہت پسند تھا جب بھی سنتے شدتِ جذبات سے آنسو بہنے لگتے اور آنکھیں پُرنم ہو جاتیں۔

علامہ مرحوم کو روضۂ اطہرؐ پر حاضری کا بہت شوق تھا اور آخری عمر میں تو یہ شوق شدت اختیار کر گیا اکثر اپنے قریبی احباب سے ذکر فرماتے۔

"میر غلام بھیک نیرنگ" تحریر فرماتے ہیں۔

"۱۹۳۷ء کے موسم سرما میں ایک روز جاوید منزل میں ان سے ملاقات ہوئی دیر تک صحبت رہی وہ اس وقت بہت کمزور تھے سفرِ مدینہ کا بھی ذکر رہا۔ کہنے لگے جس قدر تھوڑی طاقت مجھ میں رہ گئی ہے سفرِ مدینہ کے لئے بچا بچا کر رکھ رہا ہوں۔ لیکن

آہ! اس سچے عاشقِ رسولؐ کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ اگرچہ بکرِ خیال میں سفرِ حجاز اُس عاشق نے خوب خوب طے کیا اس مردِ مسلماں نے اپنی ملت کے لئے جس راہ کا تعین کیا وہ حاصل اسی صادق جذبے کا نتیجہ تھیں اس لئے اپنی ملت کے لئے وہ شرابِ کہن منتخب کرتے ہیں جو تنِ مُردہ میں زندگی کی لہر دوڑا دیتی ہے اور دل و دماغ کو روشنی ایمان وایقان سے منوّر کرتی ہے۔

پیرِ مغاں فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر

اس میں کیفِ غم نہیں مجھے تو خانہ ساز دے

تجھ کو خبر نہیں ہے کیا بزمِ کہن بدل گئی

اب تو خدا کے واسطے ان کو مے حجاز دے

اقبال مرحوم نے تہذیبِ جدید کا گہرا مطالعہ کیا اور مغربی تہذیب کے دور رس اور تباہ کن اثرات کو اپنی بصیرت سے خوب اچھی طرح محسوس کرنے کے بعد ایک مردِ مومن کا تصور پیش کیا اور رسول اللہؐ کی ذات بابرکات کو ایک مرکز قرار دیتے ہوئے واضح الفاظ میں فرمادیا۔ کہ اس مرکز سے جو جدا ہوا وہ بگڑی ہوئی تہذیب کے تاریک گڑھوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے گا اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت علامہ مرحوم عشقِ رسولؐ کا سبق بار بار دہراتے ہیں اور صاف الفاظ میں کہہ دیتے ہیں۔

غزالی ہو۔ رازی ہو۔ رومی ہو

ع کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

اقبال مرحوم درحقیقت ایک پیامی شاعر تھے۔ اور سیرتِ مقدسہ ان کی شاعری کا اہم موضوع تھا۔ اقبال کی حجازِ مقدس اور روضۂ اقدس سے بے پناہ محبت اور شدید قلبی لگاؤ کسی سے بھی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

سالار کارواں ہے میرِ حجازؐ اپنا
اس نام سے باقی آرامِ جاں ہمارا

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اقبال کا فلسفہ خودی، اقبالؒ کا مردِ کامل، اقبال کا شاہین، اقبال کا فلسفۂ عشق اقبال کا تصورِ مومن، اقبال کا فلسفہ حیات، غرضیکہ اقبال کی ساری شاعری کو یکجا کر کے تجزیہ کیا جائے کہ اس ایوان کے چمکتے دمکتے در و دیوار کا راز کیا ہے اس بہتے ہوئے قلزمِ حیات کا منبع و مرکز کہاں ہے۔ یہ پھوٹتی ہوئی روشنی کی کرنیں کہاں سے آرہی ہیں یہ خوش رنگ و خوش صدائے۔۔۔۔ یہ جرا کیا ہے یہ اسرارِ خودی یہ عجمی لیکن سرزمین حجاز کا مغنی ہم بلا مبالغہ یہ کہیں گے کہ یہ تمام فیوض و برکات یہ سب عشقِ رسالت مآبؐ کا کرشمہ ہے جو حضرت علامہ اقبال مرحوم کے دل میں مسلسل جوان تر ہوتا چلا گیا اور بالآخر آپ کو اس منزل پر لے گیا جو انسانیت کی معراج ہے جہاں سے دل و دماغ کو علم و عرفان کی روشنی ملتی ہے جہاں پہنچ کر عشق کی تڑپ جذب کی کیفیت میں بدل جاتی ہے یہ وہ مقامِ شوق ہے جہاں عقل و خرد سے بیگانہ ہو کر اگر منصور 'انا الحق' نعرۂ مستانہ بلند کر بھی دے تو کوئی بعید نہیں۔
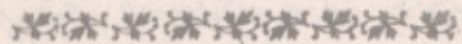
اشکبار اقبالؒ کا عشق

تحریر: عابد نظامی

علامہ اقبالؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لیا جاتا یا حضورؐ کی رحمت و رافت کا تذکرہ چھڑتے تو وفورِ جذبات سے ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ علامہ کے اس عشقِ رسولؐ کی ہر اس شخص نے گواہی دی ہے جو زندگی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

"اقبال کا قلبی تعلق حضور سرورِ کائنات کی ذاتِ قدسی صفات سے اس قدر نازک تھا کہ حضورؐ کا ذکر آتے ہی ان کی حالت دگرگوں ہو جاتی تھی۔۔۔۔۔۔ چونکہ میں بارہا ان کی یہ کیفیت دیکھ چکا تھا، اس لیے میں نے ان کے سامنے تو نہیں کہا مگر خاص لوگوں سے بطورِ راز ضرور کہا کہ اگر یہ حضورؐ کے مرقدِ پاک پر حاضر ہوں گے تو زندہ واپس نہیں آئیں گے، وہیں جان بحق ہو جائیں گے۔" (مجلہ اقبال ماہِ اکتوبر ۷۵ء صفحہ ۴۰)

علامہ کے عشقِ رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی مسلمان آنحضرتؐ کا نام نامی معمولی طریقے سے لیتا تو ان کی حالت غیر ہو جاتی۔ حکیم محمد حسن قرشی راوی ہیں کہ زندگی کے آخری دنوں میں کچھ لوگ ان سے ملنے کے لیے گئے۔ دیکھا کہ طبیعت نہایت بے چین ہے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ پوچھا خیر ہے؟ کہنے لگے: آج ایک مسلمان نوجوان مجھ سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار "محمد صاحب" کہتا تھا۔ مجھے سخت دکھ ہوا کہ جس قوم کے نوجوانوں کا یہ حال ہو اس کا انجام کیا ہوگا!

عشقِ رسولؐ کی یہ دولت علامہ کو اپنے والدِ ماجد کی طرف سے ورثہ میں ملی تھی جو نہایت متقی، دیندار اور عاشقِ رسولؐ بزرگ تھے۔ "رموزِ بے خودی" میں علامہ نے اپنے والد کا ایک

عجیب و غریب واقعہ نظم کیا ہے۔ اس واقعے سے علم ہوتا ہے کہ علامہ کے والد نے اُن کی تربیت کیسے کی۔ علامہ لکھتے ہیں: ایک دن ایک گدائے مبرم ہمارے دروازے پر آیا۔ میں نے غصّے میں اس کے سر پر ایک ڈنڈا رسید کیا۔ میرے اس فعل کا میرے والد کو علم ہُوا تو انھیں بڑا رنج ہُوا، چہرہ افسردہ ہو گیا، دل سے آہیں نکلنے لگیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر میرا دل کانپ اٹھا۔ فرمانے لگے: قیامت کے روز جب حضور کی امت ان کے گرد جمع ہوگی، جن میں غازیانِ ملّت بیضا بھی ہوں گے اور حکمتِ دین کے محافظ بھی۔ صدیق بھی ہوں گے اور شہدا بھی۔ زہّاد بھی ہوں گے اور عاشقانِ دلفگار بھی۔ عالم بھی ہوں گے اور گنہ گار بھی ـــــ ایسے میں اس گدائے دردمند کا نالہ بلند ہو گا۔ اُس وقت اگر حضور نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے تجھے ایک مسلمان نوجوان دیا تھا، کیا تو یہ آسان کام بھی نہ کر سکا کہ اس کو آدمی بنا دیتا۔ بتا! میں اس وقت حضور کو کیا جواب دوں گا؟ پھر بیٹے سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں ؎

اندکے اندیش و یاد آر اے پسر ۔۔۔ اجتماعِ امتِ خیر البشر
باز ایں ریشِ سفیدِ من نگر ۔۔۔ لرزۂ بیم و امیدِ من نگر
بر پدر ایں جور نازیبا مکن ۔۔۔ پیشِ مولا بندہ را رسوا مکن
غنچہ ای از شاخسارِ مصطفیٰ ۔۔۔ گل شو از بادِ بہارِ مصطفیٰ

از بہارش رنگ و بُو باید گرفت
بہرۂ از خلقِ او باید گرفت

یعنی اے بیٹے! ذرا امتِ خیر البشر کے اس اجتماع کا خیال کر اور پھر میری سفید داڑھی اور اس پر امید و بیم کی وجہ سے جسمِ لرزاں کو دیکھ۔ باپ کے ساتھ ایسا نازیبا ظلم روا نہ رکھ کہ وہ آقا کے آگے رسوا ہو جائے۔ تو شاخِ مصطفیٰ کا ایک غنچہ ہے، مصطفیٰ ہی کی بادِ بہاری سے پھول بننے کی کوشش کر ـــــ!

علامہ کی زندگی پر بچپن کے اس واقعے کا بڑا اثر ہے۔ قیامت کے روز حضور کے سامنے پیش ہونے کے تصوّر سے وہ کانپنے لگتے تھے۔ ایک جگہ کہتے ہیں ؎

بہ پایاں چوں رسد ایں عالمِ پیر ۔۔۔ شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورِ خواجہ ما را ۔۔۔ حسابِ من ز چشمِ او نہاں گیر

علامہؒ کے نعتیہ اشعار

علامہ نے باقاعدہ (رسمی طور پر) نعتیں نہیں لکھیں۔ اُن کے ابتدائی کلام میں ایک نعت

ملتی ہے ؎

وہ بزمِ یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار مُنہ کو چھپا چھپا کر
نگاہ عاشق کی تاڑ لیتی ہے پردہ میم کو اٹھا اٹھا کر

لیکن بعد میں اس نعت کو علامہ نے اپنے کسی مجموعہ میں شامل نہیں کیا۔ اِس نعت کے علاوہ علامہ نے جہاں بھی نعتیہ اشعار کہے ہیں، وہ ان کی دوسری منظومات میں اِس طرح موجود ہیں، جیسے انگشتری میں نگینہ جڑا ہوتا ہے۔ "مثنوی اسرارِ خودی" میں ایک نظم ہے، جس کا عنوان ہے "خودی از عشق و محبت استحکام می گیرد"۔ اس نظم میں نعتِ رسول کا انداز ملاحظہ فرمایئے ؎

ہست معشوقے نہاں اندر دلت ۔۔۔ چشم اگر داری بیا بنمایمت
عاشقانِ او ز خوباں خوب تر ۔۔۔ خوش تر و زیبا تر و محبوب تر
دل ز عشقِ او توانا می شود ۔۔۔ خاک ہم دوشِ ثریا می شود
خاکِ نجد از فیضِ او چالاک شد ۔۔۔ آمد اندر وجد و بر افلاک شد

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است

یعنی مسلمان کے دل میں ایک معشوق پوشیدہ ہے۔ اگر چشمِ بینا ہو تو اس کے جمال کا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ اور وہ معشوق کیسا ہے؟ دُنیا کے تمام حسینوں سے حسین تر اور محبوب تر۔ اس کے عشق سے دل (بجائے کمزور ہونے کے) توانا ہوتے ہیں اور خاک بھی بلند ہو کر ہم دوشِ ثریا ہو جاتی ہے۔ اس کے فیض سے خاکِ عرب پستیٔ ذلت سے اٹھ کر رفعتِ عزت و اقبال کی انتہا کو پہنچ گئی۔ وہ معشوق، مقامِ مصطفیٰ ہے جو ہر مسلمان کے دل میں موجود ہے۔ ہر مسلمان حضور کے نام پر مرتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ میرا دل حضور کی محبت سے خالی نہیں ہے مگر حضور کا اتباع کر کے صفاتِ نبوی کو اپنے دل میں جذب کرے تو پھر اس کے حسن و جمال اور قوت و رفعت کا کیا ٹھکانا ہے ؎

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

بوریا ممنونِ خوابِ راحتش ۔۔۔ تاجِ کسریٰ زیرِ پائے امتش
در شبستانِ حرا خلوت گزید ۔۔۔ قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشمِ او محرومِ نوم ۔۔۔ تا بہ تختِ خسروی خوابید قوم
وقتِ ہیجا تیغِ او آہن گداز ۔۔۔ دیدۂ او اشکبار اندر نماز

در دعائے نصرت آمیں تیغ او — قاطعِ نسلِ سلاطیں تیغ او
در جہاں آئینِ نو آغاز کرد — مسندِ اقوامِ عالم در نورد
از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد — ہمچو او بطنِ امّ گیتی نزاد
در نگاہِ او یکے بالا و پست
با غلامِ خویش بر یک خواں نشست

"رموزِ بے خودی" میں "عرضِ حال بحضور رحمۃ للعالمین" کے تحت لکھتے ہیں ؎

اے ظہورِ تو شبابِ زندگی — جلوہ ات تعبیرِ خوابِ زندگی
از تو بالا پایۂ ایں کائنات — فقرِ تو سرمایۂ ایں کائنات
در جہاں شمعِ حیات افروختی — بندگاں را خواجگی آموختی
بے تو از نابودمندیہا خجل — پیکرانِ ایں سرائے آب و گل
تا دمِ تو آتشے از گل کشود — تودہ ہائے خاک را آدم نمود
ذرّہ دامن گیرِ مہر و ماہ شد — یعنی از نیروے خود آگاہ شد

عرضِ حال میں علامہ نے اپنی محبت کی ابتدا و انتہا بھی بیان کر دی ہے اور اپنا مقصدِ حیات بھی ظاہر کر دیا ہے ؎

تا مرا افتاد بر رویت نظر — از اب و امّ گشتۂ محبوب تر
عشق در من آتشے افروختہ است — فرصتش بادا کہ جانم سوختہ است

بانگِ درا کی نظم جوابِ شکوہ میں علامہ نے کتنے پیارے نعتیہ اشعار کہے ہیں ؎

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو — بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
دشت میں، دامنِ کہسار میں، میدان میں ہے — بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراقش کے بیابان میں ہے — اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رفعنا لک ذکرک دیکھے
مردمِ چشمِ زمیں یعنی وہ کالی دنیا — وہ تمھارے شہدا پالنے والی دنیا
گرمیِ مہر کی پروردہ، ہلالی دنیا — عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

جاوید نامہ

اسی طرح "جاوید نامہ" میں انھوں نے حضور کی نعت کے لیے بڑا اچھوتا اسلوب اختیار کیا ہے۔ ایک جگہ مولانا روم کی زبان سے معراج کے اسرار بیان کراتے ہیں ؎

شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق — خویش را دیدن بنورِ ذاتِ حق
پیشِ ایں نور ار بمانی استوار — حی و قائم چوں خدا خود را شمار
مردِ مومن در نسازد با صفات — مصطفیٰ راضی نشد الا بذات
چیست معراج؟ آرزوئے شاہدے — امتحانے روبروئے شاہدے
شاہدِ عادل کہ بے تصدیقِ او — زندگی ما را چو گل را رنگ و بو
در حضورش کس نماند استوار — ور بماند ہست او کاملِ عیار

✦

چیست تن؟ با رنگ و بو خو کردن است — با مقامِ چار سو خو کردن است
از شعور است ایں کہ گوئی نزد و دور — چیست معراج؟ انقلابِ اندر شعور
انقلاب اندر شعور از جذب و شوق — وارہاند جذب و شوق از تحت و فوق
ایں بدن با جانِ ما انباز نیست
مشتِ خاکے مانعِ پرواز نیست

ایک مقام پر اقبال (زندہ رود) رومی سے پیغمبری کی تعریف پوچھتے ہیں، جواب ملتا ہے ؎

گفت اقوام و ملل آیاتِ اوست — عصرہا از مخلوقاتِ اوست
از دمِ او ناطق آمد سنگ و خشت — ما ہمہ مانندِ حاصل او چو کشت
پاک سازد استخوان و ریشہ را — بالِ جبریلے دہد اندیشہ را
ہائے و ہوئے اندرونِ کائنات — از لبِ او مجم و نور و نازِ حیات
آفتابش را زوالے نیست نیست — منکرِ او را کمالے نیست نیست
رحمتِ او صحبتِ احرارِ او — قہرِ یزداں ضربتِ کرارِ او
گرچہ باشی عقلِ کل از بے مرم — زانکہ او بندید تن و جاں را بہم

ایک مقام پر ابوجہل جیسے دشمنِ اسلام کی زبان سے حضورِ انور کی تعریف کراتے ہیں

نعت کا یہ انوکھا انداز علامہ ہی کا حصّہ ہے۔ ملاحظہ ہو! ابوجہل کی رُوح کعبہ میں نوحہ کرتی ہے ؎

سینۂ ما از محمد داغ داغ — از دمِ او کعبہ را گل شد چراغ
از ہلاکِ قیصر و کسریٰ سرود — نوجواناں را ز دستِ ما ربُود
ساحر و اندر کلامش ساحری ست — ایں دو حرفِ لا الٰہ خود کافری ست
تا بساطِ دینِ آبا در نورد — با خداوندانِ ما کرد آنچہ کرد
پاش پاش از ضربتش لات و منات — انتقام از وے بگیر اے کائنات
دل بہ غائب بست و از حاضر گسست — نقشِ حاضر را فسونِ او شکست
مذہبِ او قاطعِ ملک و نسب — از قریش و منکر از فضلِ عرب
قدرِ احرارِ عرب نشناختہ — با کلفتانِ حبش در ساختہ
احمراں با اسوداں آمیختند — آبروئے دودمانے ریختند
ایں مساوات، ایں مواخات اعجمی ست — خوب می دانم کہ سلماں اعجمی ست
ابنِ عبد اللہ فریبش خوردہ است — ے بر عرب آوردہ است
عترتِ ہاشم ز خود مہجور گشت — از دو رکعت چشمِ شاں بے نور گشت
اعجمی را اصلِ عدنانی کجاست — گنگ را گفتارِ سحبانی کجاست
چشمِ خاصانِ عرب گردیدہ کور — بر نیائی اے زہیر از خاکِ گور

اے تو مارا اندریں صحرا دلیل
بشکن افسونِ نوائے جبرئیل

باز گو اے سنگِ اسود باز گو — آنچہ دیدیم از محمد باز گو
اے ہبل اے بندہ را پوزش پذیر — خانۂ خود را ز بے کیشاں بگیر
گلۂ شاں را بہ گرگاں کن سبیل — تلخ کن خرمائے شاں را بر نخیل
صرصرے دہ با ہوائے بادیہ — اَنَّھُمْ اعجازُ نخلٍ خاویہ
اے منات اے لات ازیں منزل مرو — گر ز منزل میروی از دل مرو

اے ترا اندر دو چشمِ ما وثاق
مہلتے اِنْ کُنْتَ اَزْمَعْتَ الفراق۔

(جاوید نامہ)

(۲)

عشقِ رسول اسلام کی بنیاد ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی بدولت ایک مسلمان اطیعو الرسول کے حکم

خداوندی تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک حضور نبیٔ اکرمؐ تک پہنچے بغیر قربِ خداوندی کا تصوّر محال ہے ؎

اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

علامہ کے عشقِ رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ ایک بار اُن کی مجلس میں غازی علم الدین کی شہادت اور راجپال کی دریدہ دہنی کا ذکر آیا۔ یہ سن کر علامہ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ جب حالت بہتر ہوئی تو رقت انگیز لہجہ میں فرمایا:

"نہیں تو یہ بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ کوئی شخص یہ کہے کہ تمھارے پیغمبرؐ نے ایک دن میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔"

(روزگارِ فقیر، جلد اوّل)

یوسف سلیم چشتی نے حضرت علامہ کے جو ملفوظات محفوظ کیے ہیں، اُن میں علامہ مرحوم کا یہ جملہ بھی ہے کہ غازی علم الدین کی شہادت کے زمانے میں اُن کی زبان سے بار بار سنا گیا:

"اسی گلاں کر دے رہے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا۔"

(یعنی ہم محض باتیں ہی بناتے رہے اور نجار کا لڑکا علم الدین بازی لے گیا)۔

عاشقِ صادق ہمیشہ پیرِ وِ صادق بھی ہوتا ہے۔ علامہ کا یہ حال تھا کہ آخر عمر میں اس تصوّر ہی سے پریشان ہوجاتے تھے کہ کہیں اُن کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرِ مبارک سے زیادہ نہ ہوجائے۔ حکیم احمد شجاع کہتے ہیں میں ایک بار علامہ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو انھیں بے حد فکرمند، مغموم اور بے چین پایا۔ وجہ پوچھی تو نہایت غم انگیز لہجے میں فرمایا:

"احمد شجاع! یہ سوچ کر میں اکثر مضطرب اور پریشان ہوجاتا ہوں کہ کہیں میری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سے زیادہ نہ ہوجائے۔"

(روزگارِ فقیر، جلد دوم)

ایک بار حج بیت اللہ کا تذکرہ ہو رہا تھا، مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک دوست نے علامہ سے کہا: "اقبال تم یورپ ہو آئے، کیا اچھا ہوتا کہ واپسی میں روضۂ اطہر پر بھی حاضری دیتے۔" یہ سننا تھا کہ علامہ کی حالت غیر ہوگئی۔ روتے جاتے اور بار بار کہتے "میں کس منہ سے روضۂ اطہر پر حاضر ہوتا!"

حضرت علامہ کی زندگی عشقِ رسولؐ کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ عشقِ رسولؐ کا یہی جذبۂ صادق تھا جسے وہ عمر بھر اپنے اشعار کے ذریعے مسلمانوں کے سینوں میں انڈیلتے رہے۔ علامہ کی تمام تر شاعری کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ مسلمانوں میں اللہ کے آخری رسولؐ کا عشق پیدا کریں۔ علامہ کی کوئی کتاب اُٹھا لیجیے آپ کو اس میں جا بجا عشقِ رسول کے گلزار مہکتے ہوئے نظر آئیں گے

حتیٰ کہ ان کی کئی غزلیں بھی نعتیہ اشعار سے خالی نہیں ہیں۔ مثلاً اُردو غزلیات میں یہ اشعار مل جاتے ہیں ؎

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغِ سکندری

اے بادِ صبا کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضہ سے اُمت بیچاری کے دیں بھی گیا دنیا بھی گئی

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر بن جائیں
کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خود را

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

اور بالِ جبریل میں شامل نظم "ذوق و شوق" کے اس نعتیہ ٹکڑے کا تو شاید اُردو ادب میں جواب نہ ہو ؎

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب
تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے

"ارمغانِ حجاز" علامہ اقبالؒ کا آخری مجموعۂ کلام ہے، جو اُن کی وفات (۱۹۳۸ء) کے بعد شائع ہوا اور حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ مجموعہ ہے جو اُن کے عشقِ رسول کا مظہر اور اُن کے سوز و گداز کا شاہد ہے۔ اس مجموعہ میں شامل اشعار کا شانِ نزول یہ ہے کہ ۱۹۳۵ء کے آخر میں علامہ نے حج کا ارادہ کیا، لیکن پھر ایسے بیمار ہوئے کہ سفر کے قابل نہ رہے۔ اس بیماری میں بھی انھیں حج بیت اللہ اور زیارتِ مدینہ منورہ کا برابر دھیان رہا بلکہ وہ تصور سے تمام مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کرتے رہے اور اپنے تاثرات بھی لکھتے رہے۔ وفات سے چند روز قبل حافظ اسلم جیراجپوری انھیں ملنے گئے تو سفرِ حج کا ذکر بھی آیا۔ علامہ نے فرمایا:

"میں دو سال سے ارادۂ سفرِ حج میں ہوں، بلکہ وہ اشعار بھی لکھ چکا ہوں، جو سفر سے متعلق ہیں۔" (آثارِ اقبال ص۹)

اب اس سفر کا کچھ حال آپ بھی سُن لیجیے۔ مدینہ طیبہ روانہ ہوتے ہیں ؎

بہ ایں پیری رہِ یثرب گرفتم — نوا خواں از سرودِ عاشقانہ
چوں آں مرغے کہ در صحرا سرِ شام — گشاید پر بہ فکرِ آشیانہ

یثرب کا یہ سفر جاری ہے۔ کارواں منزل کی جانب رواں دواں ہے، ہر شخص مسرور ہے، حتیٰ کہ قافلے کے اونٹ بھی ذوق و شوق سے معمور ہیں۔ علامہ بیمار اور ضعیف ہیں اور اونٹنی تیزی سے منزل کی جانب بھاگی جا رہی ہے۔ علامہ اس سے کہتے ہیں کہ ذرا آہستہ چل۔ مگر یہ سن کر اس کے قدم اور بھی مستانہ وار اٹھنے لگتے ہیں، جیسے اس کے پاؤں کے نیچے صحرا کی ریت ریشم و پرنیاں کی طرح نرم ہو گئی ہے ؎

سحر با ناقہ گفتم نرم تر رو — کہ راکب خستہ و بیمار و پیر است
قدم مستانہ زد چنداں کہ گوئی — بہ پایش ریگِ ایں صحرا حریر است

پھر وہ محسوس کرتے ہیں کہ اونٹنی کی چشمِ سیاہ میں آنسوؤں کی نم موجود ہے۔ اس کی آہِ صبحگاہی سے میرا دل بھی جل رہا ہے۔ وہی شرابِ عشق جس سے میرا ضمیر روشن ہو گیا ہے، اس کی موجِ نگاہ سے پے در پے ٹپک رہی ہے ؎

نمِ اشک است در چشمِ سیاہش — دلم سوزد ز آہِ صبحگاہش

ہماں مے کو ضمیرم را برافروخت   پیاپے ریز و از موج نگاہش

علامہ کو اس سفر کا سوز و ساز پسند آتا ہے۔ غمِ جدائی کے شعلوں ہیں انھیں کیف و سرور حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ساربان سے کہتے ہیں کہ مجھے درِ حبیب تک کسی طویل راستہ سے لے چل، جدائی کے ان شعلوں کو تیز تر اور میری آہ و فغاں کو جنوں انگیز کر دے ؎

غمِ راہی نشاط آمیز تر کن   فغانش را جنوں انگیز تر کن
بگیر اے ساربان راہِ درازے   مرا سوزِ جدائی تیز تر کن

اور پھر یکایک محبوب حجازی کی یاد سے اُن کا دل بھر آتا ہے، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے ساتھی سے کہتے ہیں کہ اے ہم نفس! آ ہم مل کر روئیں کیونکہ ہم دونوں آقائے مدینہ کی شانِ جمال کے شہید ہیں۔ آ کہ ہم اپنے محبوب کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے دل کی باتیں کہیں، دردِ جگر کا اظہار کریں اور اُس کے پاؤں پر اپنی آنکھیں ملیں ؎

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم   من و تو کشتۂ شانِ جمالیم
دو حرفے بر مرادِ دل بگوئیم   بپائے خواجہ چشماں را بمالیم

علامہ کی یہ صدا دربارِ مدینہ کی دیواروں سے ٹکراتی ہے۔ اُن کی فغاں سلطانِ مدینہ کے دِل پر اثر کرتی ہے اور ــــ پھر کیا ہوتا ہے؟ ــــ دربارِ مدینہ کے دروازے اُن کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں ؎

حکیماں را بہا کمتر نہادند   بناداں جلوۂ مستانہ دادند
چہ خوش بختے چہ خرم روزگارے   درِ سلطاں بہ درویشے کشادند

پھر وُہ بارگاہِ نبوی میں عرض کرتے ہیں کہ حضور! آپ ہی میری زندگی کا مقصد اور میری حیات کا سہارا ہیں۔ آپ ہی کے فیضِ آفتاب سے میرے ارتقا کا عمل جاری ہے ــــ پھر عالمِ کیف و مستی میں کہتے ہیں کہ آپ ہی کے حکم کی تعمیل میں کہ کی راہ میں نے اختیار کی، ورنہ آپ کے سوا میری اور کوئی منزل نہیں ہے ؎

تو فرمودی رہِ بطحا گرفتم
وگرنہ جز تو ما را منزلے نیست

پھر کہتے ہیں حضور! میں آپ کو چھوڑ کر کہاں چلا جاؤں کہ ساری دُنیا تو عشق سے پیدا ہوئی ہے، لیکن خود عشق کی تخلیق آپ کے سینہ سے ہوئی ہے اور خود جبریلؑ بھی آپ کے آئینہ کا ایک جوہر ہے ؎

جہاں از عشق و عشق از سینۂ تست   سرورش از مئے دیرینۂ تست

بجز ایں چیزے نمی دانم ز جبریلؑ   کہ او یک جوہر از آئینۂ تست

پھر وہ اپنا ذوق و شوق اور دلِ بیقرار حضور کی خدمتِ اقدس ہیں لطورِ نذرانہ پیش کرتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ یہ متاعِ دل قبول فرما کر غلام کو سرفراز فرمایا جائے ؎

دمید آں لالہ از مشتِ غبارم   کہ خونش می تراود از کنارم
قبولش کن ز راہِ دلنوازی   کہ من غیر از دلے چیزے ندارم

مدینہ منورہ سے علامہ کو بے پناہ عشق تھا، اور کیوں نہ ہوتا، خود کہتے ہیں ؎

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

مَیں نے مضمون کے شروع میں عرض کیا تھا کہ کوئی شخص بے احتیاطی سے آنحضرت کا نام نامی علامہ کے سامنے لیتا تو وہ نہایت آزردہ خاطر ہوتے۔ یہی معاملہ مدینہ طیبہ کے ساتھ بھی تھا، مدینہ طیبہ بلکہ کبھی وُہ ہمیشہ ادب و احترام سے کرتے تھے۔ ۱۲/اگست ۱۹۱۸ء کو ایک دوست کو خط لکھتے ہیں:

"کل شام سے میری طبیعت نہایت مشتعل ہے ... انگریزی اخبار نے مدینہ منورہ کی بہت توہین کی ہے۔ کمزوروں کے پاس بددعا کے سوا اور کیا ہے۔"

(بحوالہ "اقبال اور سیاست ملی صفحہ ۹۹)

سلطان عبدالعزیز ابن سعود نے روضۂ اطہر پر حاضر ہونے والوں پر "شرعی پابندیاں" عاید کیں تو علامہ تڑپ اُٹھے۔ ابنِ سعود کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ؎

تو ہم آں مے بگیر از ساغرِ دوست   کہ باشی تا ابد اندر برِ دوست
سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں   بروبم از مژہ خاکِ درِ دوست

علامہ کی بڑی خواہش تھی کہ وہ مرنے کے بعد دیارِ حبیب میں دفن ہوں۔ اس خواہش کا اظہار آقائے نامدار کے حضور یوں کرتے ہیں ؎

شرم از اظہار او آید مرا   شفقتِ تو جرأت افزاید مرا
ہست شانِ رحمتت گیتی نواز   آرزو دارم کہ میرم در حجاز
مسکنِ یار است و شہرِ شاہِ من   پیشِ عاشق ایں بود حب الوطن
کوکبم را دیدۂ بیدار بخش   مرقدے در سایۂ دیوار بخش
تا بیاساید دلِ بیتابِ من   بستگی پیدا کند سیمابِ من

بافلک گویم کہ آرامم نگر
دیدۂ آغازم انجامم نگر

علامہ دیارِ حبیب سے دُور لاہور میں مدفون ہیں، لیکن اُن کی رُوح یقیناً دربارِ نبوی میں محبوبِ حجازی کے قدموں میں سکون حاصل کر رہی ہوگی ـــ اقبال عاشقِ رسولؐ تھے۔ اُن کے جذبِ صادق کی بدولت یہ مقام انھیں ضرور ملا ہوگا۔

بافلک گویم کہ آرامم نگر
دیدۂ آغازم انجامم نگر

پیغامِ اقبالؒ کا محور

تحریر: راجا رشید محمود

عشقِ مصطفیٰؐ وہ مرکزی نقطہ ہے، جس کے گرد اقبال کا پورا پیغام گھوم رہا ہے۔ اقبال کے نزدیک فرد کا دینِ متین پر یقین، تعلق باللہ کی کیفیات کا راز اور من حیث المجموع اُمتِ مسلمہ کی بقا اور سلامتی عشقِ رسولؐ میں پوشیدہ ہے۔ وہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفیٰؐ رو

راہِ مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) سے ہٹ کر اہلِ اسلام کے لیے دنیا میں عزت و آبرو اور توقیر و عظمت کے ساتھ زندہ رہنا ممکن ہی نہیں۔ علامہ بار بار یہی کہتے ہیں کہ میں نے تقدیر کے چہرے سے پردہ ہٹا دیا ہے۔ اے مسلمان! ناامید نہ ہو اور راہِ مصطفیٰ اختیار کر۔ یعنی اگر آقا و مولا کی راہ اختیار کی جائے تو نا اُمید ہونے کا کوئی جواز نہیں۔

کشودم پردہ را از روئے تقدیر
مشو نومید و راہِ مصطفیٰؐ گیر

علامہ اقبال نے اس شخصیت کی تعریف و ثنا کو اپنا شعار بنایا، جس کے بغیر نہ خدا کی ربوبیت کا اظہار ہوتا، نہ قرآن نازل ہوتا، نہ فروغِ وادیٔ سینا کا ذکر چھڑتا۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اقبال جہاں کائنات کے وجود کو حضور کے نور کا کرم جانتے ہیں، وہاں عرفانِ نفس کا باعث بھی اسی کو سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے اس بُت خانے میں اپنی نوائے صبح گاہی سے میں نے ایک جہانِ عشق و مستی تعمیر کر لیا ہے۔

چو خود را در کنارِ خود کشیدم
بہ نورِ تو مقامِ خویش دیدم
دریں دیر از نوائے صبح گاہی
جہانِ عشق و مستی آفریدم

اقبال کہتے ہیں کہ ضعیفی کے باوصف اگر سرکار کا نور میری آنکھوں کو مستنیر کرے تو مجھے تابِ نظر حاصل ہو سکتی ہے۔

ہنوز ایں خاک دارائے شرر ہست
ہنوز ایں سینہ را آہِ سحر ہست
تجلّی ریز بر چشمم کہ بینی
باایں پیری مرا تابِ نظر ہست

قرآنِ مجید فرقانِ حمید نے ہمارے آقا و مولا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف خطابات سے نوازا ہے، جن میں ایک خطاب ہے "عبدہٗ" کا۔ علامہ اقبال "جاوید نامہ" میں مفہوم عبدہٗ کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فلکِ مشتری پر حلاج کہتا ہے کہ

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نورِ مصطفیٰؐ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ ست
(ہر کہیں پیدا ہے شہرِ رنگ و بو
خاک سے جس کی ہو پیدا آرزو
ہے وہ ممنونِ مصطفیٰؐ کے نور کا
یا ہے وہ جویائے نورِ مصطفیٰؐ)

(ترجمہ انعام اللہ خاں ناصر)

اس پر "زندہ رود" اس سے اس جوہر کے بارے میں استفسار کرتا ہے، جس کا نام مصطفیٰ ہے۔ علامہ اقبال حسین بن منصور حلاج کی زبان سے مفہوم عبدہٗ کے بارے میں حتی المقدور وضاحت کرتے ہیں اور آخر میں اپنے عجزِ فہم کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر کوئی اس لفظ کو سمجھنا چاہتا ہے تو وہ "وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ" کے مقام کو سمجھے۔ فرماتے ہیں:

عبدہٗ از فہمِ تو بالاتر است
زاں کہ او ہم آدم و ہم جوہر است
(فہم سے وہ تیرے بالاتر بھی ہے — عبدہٗ آدم بھی ہے جوہر بھی ہے)

عبد دیگر، عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار، او منتظر
(عبد کم تر، عبدہٗ عالی وقار — منتظر وہ، ہم سراپا انتظار)

عبدہٗ دہر است و دہر از عبدہٗ ست
ما ہمہ رنگیم و او بے رنگ و بوست
(عبدہٗ سے دہر ہے، دہر عبدہٗ — ہم ہیں اِک سب رنگ وہ بے رنگ و بو)

عبدہٗ با ابتدا ، بے انتہاست
عبدہٗ را صبح و شام ما کجاست

(عبدہٗ آغازِ بے انجام ہے — عبدہٗ آزادِ صبح و شام ہے)

اور آخری اور فیصلہ کن بات علامہ اقبال حلاج کے منہ سے یوں ادا کرتے ہیں،

کس ز سِرِّ عبدہٗ آگاہ نیست
عبدہٗ جز سِرِّ الا اللہ نیست

(کون اس کے بھید سے آگاہ ہے — عبدہٗ اک رازِ "الا اللہ" ہے)

علامہ کہتے ہیں کہ لاالٰہ تلوار ہے اور اس کی دھار عبدہٗ ہے۔ بلکہ اگر زیادہ صاف اور واضح الفاظ میں سننا چاہو تو دونوں ایک ہیں، تلوار اور دھار میں فرق کیا ہی نہیں جا سکتا۔

لاالٰہ تیغ و دم اُو عبدہٗ
فاش تر خواہی بگو "ھُو عبدہٗ"

اور آخر میں علامہ کہتے ہیں کہ جب تک قرآن پاک یہ وضاحت نہ کرے کہ کنکریاں پھینکنے والا ہاتھ جو سرکار کا ہاتھ تھا، دراصل خدا تعالیٰ کا ہاتھ تھا، "ھُو عبدہٗ" کی بات سمجھ میں نہیں آ سکتی۔

مدعا پیدا نہ گردد زیں دو بیت
تا نہ بینی "از مقام "ما رمیت"

(کشفِ معنی کر سکیں کیا اک دو بیت — دیکھ تو سُوئے مقامِ ما رمیت)

علامہ اقبال اپنی اسی تصنیف "جاوید نامہ" میں جرمن فلاسفر نطشے کا ذکر کرتے ہوئے افسوس کرتے ہیں کہ یہ بد قسمت شخص "لا" کے مقام تک رسائی حاصل کر چکا ہے مگر "الا اللہ" تک نہیں پہنچ سکا اور مقامِ عبدہٗ سے بے گانہ رہا۔

اُو بہ "لا" درماندہ ، تا "الا" نہ رفت
از مقامِ عبدہٗ بے گانہ رفت

سِرِّ عبدہٗ سے آگاہ ہونے کے عمل میں سر کا سجدہ نہیں مگر حضورِ شاہ میں دل کا سجدہ تو یوں بھی ناگزیر ہے کہ آقا نے خود ہی فرما دیا "من رآنی فقد رأی الحق" (یعنی جس نے مجھے دیکھا اس نے خدا کو دیکھ لیا) پھر علامہ اقبال یہ اعتراف کیوں نہ کریں کہ میری آنکھوں کو نگاہ سرکار ہی نے بخشی ہے اور میری زندگی کی رات میں چاند کی روشنی آپ ہی کے کرم سے ہے — اور پھر حضورؐ کے اس ارشاد کے حوالے سے اُن کے رُخِ زیبا کی زیارت کی خواہش کیوں نہ ظاہر کریں۔

بچشمِ من نگہ آوردہ تُست
فروغِ لاالٰہ آوردہ تُست
دو چارم کن بہ صبحِ "مَنْ رَآنی"
شبم را تاب مہ آوردہ تُست

حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا۔ "لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ نبی مرسل ولا ملک مقرب" یعنی ایک وقت ایسا آتا ہے کہ میں خدا کے ساتھ تنہا ہوتا ہوں۔ اس وقت نہ کوئی مرسل وہاں آ سکتا ہے اور نہ کوئی فرشتہ مقرب۔ علامہ اقبال پر اس حدیثِ پاک کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ اُنھوں نے "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" (اپنے مشہور لیکچروں) میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ مثنوی "اسرارِ خودی" میں کہتے ہیں:

تو کہ از وصلِ زماں آگہ نہ ای
از حیاتِ جاوداں آگہ نہ ای
تا کجا در روز و شب باشی اسیر
رمزِ وقتِ "لی مع اللہ" یاد گیر

علامہ نے اس حدیث مبارکہ کا ذکر "جاوید نامہ" میں بھی کیا ہے۔ زروان (وقت) کہتا ہے

(انعام اللہ خاں ناصر نے ان اشعار کا ترجمہ یوں کیا ہے)

لی مع اللہ جس کے دل میں بس گیا
اس نے میرے سحر کو باطل کیا
چاہتا ہے تو اگر مجھ سے اماں
لی مع اللہ کو بنا وردِ زباں
لی مع اللہ ہے نہ جانے سحر کیا
میری نظروں سے یہ عالم چھپ گیا

علامہ اقبال عشقِ مصطفیٰ ؐ میں افضل الخلائق بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روش کے عامل ہیں اور جب رفیقِ نبوت کی زبان سے یہ نعرۂ حق سُنتے ہیں تو اُس کو حرزِ جاں بنا لیتے ہیں کہ

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسول بس

وہ جانشین سرکارِ دو عالم حضرت صدیق اکبر کی جُرأت پر دل و جاں سے فدا ہیں، جنہوں نے خدا سے کہہ دیا کہ مجھے مصطفیٰؐ کی ہستی کافی ہے۔ (اور ظاہر ہے کہ جس کے لیے سرکار کافی ہوں، نہ وہ گمراہ ہو سکتا ہے، نہ احکامِ خدا و رسولؐ سے سرتابی کی جُرأت کر سکتا ہے)

بکوئے تو گداز یک نوا بس
مرا ایں ابتدا، ایں انتہا بس
خرابِ جُرأتِ آں رندِ پاکم
خدا را گفت "ما را مصطفیٰؐ بس"

"جاوید نامہ" میں وہ "محکماتِ عالم قرآنی" کی ذیل میں کہتے ہیں کہ خدا کا انکار ممکن ہے مگر شانِ نبی کے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

می توانی منکرِ یزداں شدن
منکر از شانِ نبیؐ نتواں شدن

اور اس کا باعث شاید یہ ہے کہ:

با خدا در پردہ گویم باتو گویم آشکار
یا رسول اللہ! اُو پنہان و تو پیدائے من

اس معاملے میں علامہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے موقف کے قائل ہیں اور عارفۂ ملت حضرت رابعہ بصری کے اس قول سے ہم آہنگ ہو کر کہ "من خدا را ازاں می پرستم کہ ربِّ محمدؐ است" فرماتے ہیں:

تو فرمودی رہِ بطحا گرفتیم
وگرنہ جز تو ما را منزلے نیست

وہ اپنی آسودہ جانی کے لیے وہی "شور" مانگتے ہیں جس نے حضرت صدیقؓ کے کاشانۂ دل کو تجلیات کا مسکن بنا دیا تھا۔

ازاں فقرے کہ با صدیقؓ دادی
بشورے آور ایں آسودہ جاں را

چنانچہ سیرتِ حضرت صدیق اکبر کا ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیق سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو اللہ کے ساتھ زیادہ محبت ہے یا رسول اللہ کے ساتھ۔ تو اُنہوں نے فرمایا "مجھے اللہ کے رسول کے ساتھ زیادہ محبت ہے کیونکہ آپ کی بعثت سے پہلے ہم بھی یہیں تھے اور اللہ بھی یہیں تھا، نہ اس نے ہم کو پوچھا، نہ ہم نے اس کو پہچانا۔ اب جو اللہ کا رسول آگیا تو ہم نے اللہ کو پہچان لیا اور اللہ نے بھی ہم کو ——— جناب

محمد عبداللہ قریشی کہتے ہیں کہ اس کے بعد علامہ نے اپنے دو شعر سنائے، جنہیں آپ غلبۂ رقت وگریہ کی وجہ سے بمشکل پورا کر سکے۔

معنیٔ حرفم کُنی تحقیق اگر
بنگری با دیدۂ صدیقؓ اگر
قوتِ قلب و جگر گردد نبیؐ
از خدا محبوب تر گردد نبیؐ

علامہ اقبال کے عشقِ رسولؐ کے اس پہلو کا کمال یہ ہے کہ وہ خالقِ کائنات سے التجا کرتے ہیں کہ اگر روزِ محشر میرا احساب کتاب بہت ہی ضروری ہو اور مجھے کسی طرح معاف نہ کیا جا سکتا ہو تو میری فردِ عمل سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے پوشیدہ رکھی جائے یعنی اگر رہائی کی کوئی صورت نہ ہو تو خدا فردِ عمل دیکھے اور جو چاہے سزا بھی سنا دے مگر حضورِ پُرنور کے سامنے ندامت کا موقع نہ آئے۔

تو غنی از ہر دو عالم، من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور اگر بینی حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفیؐ پنہاں بگیر

علامہ اقبال اسلام کی خدمت کا جذبہ رکھتے تھے، قرآن پاک کے موضوعات پر کام کرنا چاہتے تھے اور اس سب کچھ سے ان کا منشا حضورِ پُرنور کی خوشنودی تھا۔ سید راس مسعود کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآنِ کریم سے متعلق اپنے افکار قلمبند کر جاؤں تاکہ (قیامت کے دن) آپ کے جدِ امجد (حضورِ نبی کریمؐ) کی زیارت مجھے اس اطمینانِ خاطر کے ساتھ میسر ہو کہ اس عظیم الشان دین

کی جو حضور نے ہم تک پہنچایا، کوئی خدمت بجا لا سکا۔" (۱)

(۱) اقبال نامہ، حصہ اول، مرتبہ شیخ عطاء اللہ، ص ۳۶)

علامہ کے نزدیک مسلمانوں کے ہر قومی مرض کا واحد علاج عشقِ رسولؐ میں پنہاں و مضمر ہے۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

وہ جانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسروں کو اس حقیقت کا ادراک ہو جائے کہ اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، تمام مسلمانوں کے ایمان کی جان ہے۔ یہی نام ہے جو زبان پر جاری ہو، دل میں جاگزیں ہو، دماغ پر پرتوفگن ہو تو ہمارا تشخص ہے، ہم ہیں ـــــ ورنہ کچھ نہیں۔ 'بانگِ درا' میں کہتے ہیں؛

سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

"جوابِ شکوہ" میں خداوندِ دو عالم بندۂ مومن کو مخاطب کر کے دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے اس اسمِ مبارک کی یوں تعریف کرتا ہے:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمۂ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

اقبال کہتے ہیں کہ عشق مصطفیٰ ہی کے کرشمے ہیں کہ بلال حبشی (رضی اللہ عنہ) کا نام آج تک بڑے بڑے باجبروت شہنشاہ، خدا کے سارے دوست اور اسلام کے سارے فرزند عزت و احترام سے لیتے ہیں:

اقبال کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

اقبال کو شدید احساس ہے کہ عشقِ نبی ؐ اتنی بڑی دولت ہے، جس کے حصول کے بعد کائنات کی ہر چیز مسخر ہو جاتی ہے اور عاشقِ رسول ؐ کا دل کی گہرائیوں سے احترام کرتی ہے (جب خود خدا عاشقِ مصطفیٰ کو اپنا محبوب قرار دیتا ہے تو ایسا کیوں نہ ہو)۔

شہیدِ عشقِ نبی ؐ ہوں، میری لحد پہ شمعِ قمر جلے گی
اُٹھا کے لائیں گے خود فرشتے چراغ خورشید سے جلا کر

اقبال کہتے ہیں:

"خوشا وہ دل جو عشقِ نبوی کا نشیمن ہو" (۲)

(افکارِ اقبال از بشیر احمد ڈار۔ ص ۳۵)

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

وہ خداوند کریم کے حکم کی تعمیل میں سرکار کو والدین اور دیگر تمام مخلوق سے زیادہ محبوب سمجھتے ہیں اور ان کا سینہ حضور ؐ کے عشق کی آگ سے روشن اور ان کی روح آپ کے نور سے منور ہے۔

تا مرا افتاد بر رویت نظر
از اب وام گشتہ ای محبوب تر

عشق در من آتشے افروخت است
فرعشق بادا کہ جانم سوخت است

علامہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص عشق نبی ؐ کی دولت سے فیض یاب ہونا چاہتا ہے تو وہ صدیق و علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا سوز خدا سے طلب کرے:

سوزِ صدیقؓ و علیؓ از حق طلب
ذرہ عشقِ نبی ؐ از حق طلب

اور ——— سوزِ صدیق و علی کیا ہے؟ اس کی وضاحت اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا بریلوی یوں کرتے ہیں:

مولا علیؓ نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر، سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدیقؓ بلکہ غار میں جاں اس پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جان فروضِ غرر کی ہے
ہاں، تو نے اُن کو جان، انہیں پھیر دی نماز
پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے
ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

حضور رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من زار قبری وجبت لہ شفاعتی (جس نے میرے روضے کی زیارت کی، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی)"

چنانچہ حضور کی شفاعت کے طالبوں کے دل و دماغ میں طیبہ کے جلووں سے مستفید و مستنیر ہونے کا شوق ناگزیر ہے۔ علامہ اقبال، مخدوم الملک سید غلام میراں

شاہ کے نام ۲، دسمبر ۱۹۳۳ء کے مکتوب میں اُنہیں زیارتِ روضۂ حضور کی سعادت پر پیشگی مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"کاش میں بھی آپ کے ساتھ چل سکتا اور آپ کی صحبت کی برکت سے مستفیض ہوتا لیکن افسوس ہے کہ جدائی کے ایام ابھی کچھ باقی معلوم ہوتے ہیں۔ میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ حضورؐ کے روضۂ مبارک پر یاد بھی کیا جا سکوں تاہم حضور کے اس ارشاد سے جرأت ہوتی ہے کہ "الطالح لی" یعنی گنہگار میرے لیے ہے۔ اُمید ہے کہ آپ اس دربار میں پہنچ کر مجھے فراموش نہ فرمائیں گے۔"

(اقبال نامہ، حصہ اول۔ ص ۲۹-۲۲۸)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علامہ اپنی حیات کے آخری دور میں عشق کی ان سعادتوں سے بہرہ ور ہوئے تھے، پہلے یہ عالم نہ تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے اوائل عمر ہی سے انہیں حضور پُر نور شافعِ یوم النشور سے بے حد عقیدت و ارادت تھی۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء کے محولہ بالا خط سے قطع نظر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ۶، اکتوبر ۱۹۱۱ء کو اکبر الٰہ آبادی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"خواجہ حسن نظامی واپس تشریف لے آئے۔ مجھے بھی ان سے محبت ہے اور ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتا ہوں۔ خدا آپ کو، اور مجھ کو بھی زیارتِ روضۂ رسولؐ نصیب کرے۔ مدت سے یہ آرزو دل میں پرورش پا رہی ہے۔ دیکھیے کب جوان ہوتی ہے۔"

(اقبال نامہ، حصہ دوم۔ ص ۳۶)

مدینے اور مدینے والے کا نام سن کر اقبال کی آنکھیں بے اختیار نم ہو جاتی تھیں۔ ۱۹۳۶ء میں بہاول پور کے ایک پیر صاحب کے سفرِ حج کے ذکر سے، اپنی محرومی کا

احساس کر کے ان کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں تو ان کی بہن کہتی ہیں کہ عام صحت کی خرابی کے علاوہ آپ کی آنکھوں میں تکلیف ہے، اس لیے آپریشن کے بعد اگلے سال آپ بھی چلے جائیے گا۔ اس پر بڑے درد انگیز مگر پُر شوق لہجے میں فرمایا: "آنکھوں کا کیا ہے۔ آخر اندھے بھی تو حج کر ہی آتے ہیں" اتنا کہنے کے بعد آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو گئیں۔

(روزگارِ فقیر، جلد دوم، ص ۲۰۵)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی جنوری ۱۹۳۸ء (وفات سے تین ماہ پہلے) کا ایک واقعہ لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر عبداللہ چغتائی سفرِ یورپ پر جانے سے پہلے رخصتی ملاقات کے لیے علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میری موجودگی میں اُنہوں نے چغتائی صاحب سے کہا کہ "اگر اللہ نے مجھے صحت دی تو میں بھی حجاز کا سفر کروں گا۔ بظاہر یہ آرزو پوری ہوتی نظر نہیں آتی مگر وہ چاہے تو کچھ مشکل بھی نہیں ہے۔" یہ کہہ کر مرحوم پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور ہم دونوں اس کیفیت کا نظارہ کرتے رہے۔"

(ماہنامہ بصیر کراچی۔ عید میلاد النبی نمبر ۱۹۷۲ء۔ ص ۷۰)

اقبال اس تصور سے محظوظ ہوتے ہیں، ایک خاص کیفیت کی لذت پاتے ہیں کہ آقا کے دربار میں حاضر ہیں، آنکھیں بند کر کے حضور کے قدموں پر نچھاور ہو رہے ہیں۔

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم
من و تو کشتۂ شانِ جمالیم
دو حرفے بر مرادِ دل بگوئیم
بپائے خواجہ چشماں را بمالیم

اقبال کے نزدیک صحرائے عرب کی ہر ساعت دل نواز اور فرحت انگیز ہے۔ عرب کا ذرہ ذرہ ہماری طرح عشقِ حضورؐ کے احساس سے مملو ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ آقا کے دربار کے راستے میں قدم اس انداز میں رکھنا چاہیے کہ مقدس ذروں کا لحاظ رہے اور ان کی دردمندی کا احترام کیا جائے۔

چہ خوش صحرا کہ شامش صبح خند است
شبش کوتاہ و روزِ او بلند است
قدم اے راہرو آہستہ تر نہ
چو ما ہر ذرۂ او درد مند است

علامہ اقبال جنت اور خاکِ مدینہ کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے

میں نے سو گلشنِ جنت کو کیا اس پہ نثار
دشتِ یثرب میں اگر زیرِ قدم خار آیا

اور کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر جنت میں جانا کس کو گوارا ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے انہیں بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔

ہزار جنت کو کھینچتا تھا ہمیں مدینے سے آج رضواں
ہزار مشکل سے اس کو ٹالا بڑے جتانے بنا بنا کر

علامہ اپنے آقا و مولا رسول انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آرام گاہ اور مدینہ طیبہ کی خاک کی عظمت کا تصور کرتے ہیں تو انہیں سرکار کے قدموں کی برکت سے شہر اور اس کا ذرہ ذرہ دو عالم سے بہتر لگتا ہے؛

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

وہ خواب گاہِ مصطفیٰؐ کو کعبہ سے سوا سمجھتے ہیں، یہ یقین رکھتے ہیں کہ اسی کے

دم سے سب کچھ ہے۔

وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہِ مصطفیٰؐ
دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سے سوا
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اس شہنشاہِ معظم کو ملی
جس کے دامن میں اماں اقوامِ عالم کو ملی
آہ یثرب، دیس ہے مسلم کا تو، ماویٰ ہے تو
نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو
جب تلک باقی ہے تو دنیا میں، باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہرِ شبنم بھی ہیں

ظفر علی خاں نے اقبال کے متعلق کہا تھا؛

"اقبال پکا مسلمان اور سچا عاشقِ رسولؐ ہے۔ وہ روتا ہے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشق میں، وہ روتا ہے اسلام کی محبت میں۔"
(گفتارِ اقبال از محمد رفیق افضل۔ ص ۴۷)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنے ایک مضمون "اقبال اور عشقِ رسولؐ" میں لکھتے ہیں؛

"مجھے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع بھی ملتا رہا۔ میں اپنے ذاتی مشاہدے کی بنا پر بھی کہہ سکتا ہوں کہ جب کبھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ان کی زبان پر آیا تو معاً ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اقبال عشقِ رسولؐ میں اس قدر ڈوب گئے تھے کہ جب عاشقانِ رسولؐ کا تذکرہ کرتے، اُس وقت بھی آبدیدہ

ہوجاتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، ایک دن مرحوم علم الدین شہید (قاتل راجپال) کا ذکر چلا تو علامہ فرطِ عقیدت سے اُٹھ کر بیٹھ گئے، آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہنے لگے "اسی گلاں کر دے رہے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا۔" (۸)

(بصیر کراچی۔ مئی ۱۹۶۷ء۔ ص ۲۷)

علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں واقفانِ حال نے جس قدر ایمان افروز واقعات بیان کیے ہیں، ان سے حضرت علامہ کے دل کی کیفیت بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ غلام بھیک نیرنگ اپنے مضمون "اقبال کے بعض حالات" کے آخر میں رقمطراز ہیں:

"اقبال کا قلبی تعلق حضور سرورِ کائنات ﷺ کی ذاتِ قدسی صفات سے اس قدر نازک تھا کہ حضور کا ذکر آتے ہی ان کی حالت دگرگوں ہو جاتی تھی، اگرچہ وہ فوراً ضبط کر لیتے تھے۔ چونکہ میں بارہا ان کی یہ کیفیت دیکھ چکا تھا اس لیے میں نے ان کے سامنے تو نہیں کہا مگر خاص خاص لوگوں سے بطورِ راز ضرور کہا کہ یہ اگر حضور ﷺ کے مرقدِ پاک پر حاضر ہوں گے تو زندہ واپس نہیں آئیں گے، وہیں جاں بحق ہو جائیں گے۔ میرا اندازہ یہی تھا۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔" (۹)

(اقبال لاہور۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء۔ ص ۳۰)

اللہ کریم ہمیں توفیق دے کہ ہم محسنِ قوم، شاعرِ مشرق، حکیم الامت علیہ الرحمہ کی تقلید میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی سعادتوں سے بہرہ مند ہو کر دنیا میں ایک زندہ قوم کی حیثیت سے معروف ہوں۔ آمین۔

اقبالؒ کی نعت اور تقلیدِ سیرت ﷺ کی تبلیغ

تحریر: ڈاکٹر محمد ریاض

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور اسوۂ حسنہ ہر مسلمان کے لئے شمعِ ہدایت ہے۔ اور اس کی پیروی سے حقیقی اخلاق و شرافت اور تقویٰ و پرہیزگاری کے اوصاف حاصل ہوتے ہیں۔ حبِ رسول حبِ خداوندی کا پیش خیمہ اور دعوئے ایمان کا ملاک (معیار) ہے اور کلامِ اقبالؒ کا معتدبہ حصہ جذبۂ حبِ رسول ﷺ کے احیاء و تحکیم کے لئے وقف ہے اقبالؒ کو ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے بے پناہ محبت تھی۔ جیسا کہ اقبالؒ اور عشقِ رسول ﷺ کے موضوع پر لکھنے والوں نے تصریح کی ہے آنحضرت ﷺ کا اسمِ مبارک سنتے ہی اقبالؒ کا قلب وجد آگیں اور آنکھیں شدتِ تاثر سے اشک بار ہو جاتی تھیں۔ یہاں ہم اس موضوع پر کچھ گزارشات قلمبند کر رہے ہیں کہ اقبالؒ کے کلام اور پیغام کی روشنی میں ایک مردِ مسلمان سیرتِ پاک ﷺ کے ہمہ گیر اثرات کس طرح قبول کرتا ہے۔

اقبالؒ نے ایک مرتبہ میلاد النبی ﷺ کے جلسے میں مقرر کی حیثیت سے شرکت کی اور فرمایا "میرے نزدیک انسانوں کی دماغی اور قلبی تربیت کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ان کے عقیدے کی رو سے زندگی کا جو نمونہ بہترین ہو وہ ہر وقت ان کے سامنے رہے۔ اس وجہ سے بھی مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ اسوۂ رسول ﷺ کو مدِنظر رکھیں تاکہ جذبۂ تقلید اور جذبۂ عمل قائم رہے۔"
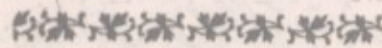
جذبۂ تقلید و عمل کو قائم رکھنے کی خاطر اقبالؒ نے ذکر رسولؐ کے تین طریقوں پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔ پہلا انفرادی طریقہ ہے جو نماز اور اوراد میں درود و صلوات پڑھنے سے ایک حد تک پورا ہو جاتا ہے۔ دوسرا طریقہ محفل ہائے ذکر رسولؐ کا انعقاد ہے۔ مثلاً محفل میلاد النبی تاکہ سیرت پاکؐ کی جزئیات بیان کی جائیں اور اجتماعی انداز میں ذکر رسولؐ کیا جائے یہ دونوں طریقے اتباع سنت اور اخلاق نبویؐ سے کسب علم و کمال کی راہیں ہیں اور جوہر انسانی کا یہ انتہائی کمال ہے کہ اسے دوست کے سوا کسی دوسری چیز کی دید سے مطلب نہ رہے"

کمال انسانی و مسلمانی کی خاطر اقبال ذکر رسولؐ کا تیسرا، اور مشکل طریقہ بتاتے ہیں کہ یاد رسولؐ اس کثرت سے اور ایسے انداز میں کی جائے کہ انسان کا قلب، نبوت کے مختلف پہلوؤں کا خود مظہر بن جائے — (۱) اقبالؒ کا کلام مظہر ہے کہ وہ ذکر رسولؐ سے مستفیض اور اس کی لذت و حلاوت سے بہرہ مند رہے ہیں۔

اقبالؒ فرماتے ہیں کہ حب رسولؐ مسلمانوں کے قلب کے انجلاء کا موجب اور سامان تقویت ہے مسلمان جب اپنی اعلیٰ نسبت پر غور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے، اس نسبت کی حرمت اور تعلق برقرار رکھنے کی فکر کرتا ہے۔

ہر کہ عشق مصطفےٰؐ سامان اوست — بحر و بر در گوشۂ دامان اوست
روح را جز عشق او آرام نیست — عشق او روزیست کو را شام نیست (۲)
معنی حرفم کنی تحقیق اگر — بنگری با دیدۂ صدیقؓ اگر
قوت قلب و جگر گردد نبیؐ — از خدا محبوب تر گردد نبی (۳)

آنحضرتؐ رحمۃ للعالمین اور رسول عالم ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے آپؐ کے سیرت اور کردار کو جملہ مسلمانوں کی خاطر نمونہ پایا اور ہمارے دینی ایمان کا شاہد — اس شہادت سے ہم اسی صورت میں مستفید ہو سکتے ہیں کہ سیرت رسولؐ کی خو و بو اختیار کریں — اور اقوام عالم کی خاطر نمونہ بہتر بن سکیں۔ تبلیغ اسلام فرض ہے فرض کفایہ۔ اور یہ تبلیغ زبان قال سے

اور زبان حال بھی — اگر مسلمان اپنے قول و فعل اور نمونے سے آنحضرتؐ کے فرمودات دوسروں تک نہ پہنچا سکے۔ تو اپنے دعویٰ ایمان کا حشر ابھی سے سمجھ لیں۔ اقبال نے مسلمانوں کو سیرت رسولؐ کا نمونۂ ناطق بننے کا بار بار مشورہ دیا ہے اور نمونۃً چند اشعار ہیں۔

طبع مسلم از محبت قاہر است — مسلم از عاشق نباشد کافر است
خیمہ در میدان الا اللہ زد است — در جہان شاہد علی الناس آمد است
شاہد حالش نبیؐ انس و جان — شاہد صادق ترین شاہدان
آب و تاب چہرۂ ایام تو — در جہان شاہد علی الاقوام تو
نکتہ سنجان را صلائے عام دہ — از علوم امیؐ پیغام دہ
امیؐ پاک از ہوی گفتار او — شرح رمز ما غوی گفتار او
لرزم از شرم تو چون روز شمار — پرسدت آن آبروی روزگار
حرف حق از حضرت ما بردہ ای — پس چرا با دیگران نسپردہ ای
آن نگاہش سر ما زاغ البصر — سوی قوم خویش باز آید اگر
می شناسد شمع او پروانہ را — خوب بشناسد خویش و ہم بیگانہ را
لست منی گویدت مولای ما — وای ما ای وای ما (۴)

اور یہ ایک مصرع "لرزم از شرم تو چون روز شمار" قابل غور ہے۔ خدائے تعالیٰ سے شرمسار ہونے کا تو لوگ لکھتے رہے مگر آنحضرتؐ سے شرم کی باتیں شعراء تو کجا علمائے فحول نے بھی شاذ ہی لکھی ہیں۔ اقبالؒ کی جرأت عشق رسولؐ ہی ایسا کہلوا سکتی ہے کہ "از خدا محبوب تر گردد نبی" — اور یہ بھی —

می توانی منکر یزداں شدن — منکر از شان نبیؐ نتوان شدن (۵)
غلام جرأت آن رند پاکم — خدا گفت ! مارا مصطفےٰؐ بس (۶)

مثنوی "پس چہ باید کرد" میں اقبالؒ نے شیخ سعدی کے حمدیہ شعر کو تصرف لفظی سے

نقشہ بنا دیا ہے۔

حملِ حدمر رسولؐ، پاک را آنکہ ایمان داد مشتِ خاک را

بہر حال آنحضرتؐ سے شرم کرنے کی تعبیر بڑی دل نگتی اور معنی خیز ہے اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اپنی بدعمالیوں کے ساتھ ہم کس طرح حضورؐ کی شفاعت کے سزاوار بنیں گے اور روزِ قیامت صاحب رخِ انوار کو اپنی صورت کس طرح دکھائیں گے ۔۔۔ ؛ آخر آنحضرت سے اپنی نسبت کا کچھ لحاظ تو کریں۔ آپ نے اپنی دو رباعیوں میں خدائے تعالےٰ سے التماس کیا کہ روزِ قیامت ان کا محاسبہ آنحضرتؐ کے غیاب میں کیا جائے۔

تو غنی از ہر دو عالم، من فقیر روزِ محشر عذرہای من پذیر
در حسابم را تو بینی ناگزیر از نگاہ مصطفےٰؐ پنہاں بگیر

بہ پایاں چوں رسد ایں عالمِ پیر شود بی پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورِ خواجہ ما را حسابِ من ز چشمِ دی نہان گیر (۶)

اقبالؒ نے کئی مقامات پر اپنی بےعملی کے ذکر کے پردے میں دوسرے مسلمانوں کو اپنے اعمال اور آنحضرتؐ سے نسبت کی ذمہ داریوں پر غور کرنے کی دعوت دی ہے ایک واقعہ اقبال کے بچپن کا ہے۔ آپ نے کسی معمر سائل کو زدو کوب کر دیا اور یہ بات آپ کے صوفی منش والد تک پہنچ گئی۔ والد اس حرکت سے بے حد مغموم و محزون ہوئے اور اس واقعے سے روزِ محشر آنحضرتؐ کے حضور پیش ہونے کے یقین سے نادم اور خائف تھے۔ باپ نے اقبال کو ندامت کا اتنا شدید تاثر دیا کہ وہ اسے مدت العمر بھلا نہ سکے۔

گفت فردا امتِ خیر الرسل جمع گردد پیش آں مولای کل
ای صراطت مشکل از بی مرکبی من چہ گویم چون مرا پرسد نبی!
حق جوانی مسلمی با تو سپرد کو نصیبی از دبستانم نبرد
از تو این یک کار آسان ہم نشد یعنی آن انبارِ گل آدم نشد:

اندکی اندیش و یاد آرای پسر اجتماعِ امتِ خیر البشر
باز این ریشِ سفیدِ من نگر لرزۂ بیم و امیدِ من نگر
بر پدر این جورِ نازیبا مکن پیش مولا بندہ را رسوا مکن
غنچۂ از شاخسارِ مصطفےٰؐ گل شو از بادِ بہارِ مصطفےٰؐ
مگسل از ختم الرسل ایامِ خویش تکیہ کم کن بر فن و بر گامِ خویش (۸)

جاوید نامہ میں آپ خطاب بہ جاوید فرماتے ہیں۔

نوجوانی را چو بینم بی ادب روزِ من تاریک می گردد چو شب
تاب و تب در سینہ بیفزاید مرا یادِ عہدِ مصطفےٰؐ آید مرا
از زمانِ خویش پشیماں می شوم در قرونِ رفتہ پنہاں می شوم (۹)

اقبال غلامی پر قانع رہنے پر بھی مسلمانوں کو آنحضرتؐ سے نسبت کا حوالہ دے کر غیرت دلاتے رہے یہ بات دوسرے مذاہب کے اعتدال پسند پیروؤں نے بھی تسلیم کی ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے بنی نوعِ انسان کی گردن کو طوقِ غلامی سے آزاد کرایا۔ اور حریت و مساوات کا عملی نمونہ پیش کیا۔ اسے تقدیر کی ستم ظریفی نہیں، اعمال کی پاداش کہنا چاہیے کہ مسلمان جو آزادی و حریت کے قافلہ سالار تھے استعماری قوتوں کا شکار ہو کر غلام بن گئے۔ اب بھی مسلمان ایک حد تک استعمار پسندوں کے دستِ نگر ہیں۔ اقبالؒ کے دورِ حیات میں حالات کہیں ابتر تھے آپ، غلاموں کے درود خوانی، عبادات اور کارہائے خیر کو ہیچ قرار دے کر مسلمانوں کو منبعِ حریت و مساواتؐ سے ان کی نسبت یاد دلاتے ہیں اور ان کی رگِ حمیت کو پھڑکاتے رہے ہیں۔ یہ کام نصیحت افروز ہے اور شاعر کے جذبۂ ایمان و عمل کا مظہر بھی

مومناں را گفت آں سلطانِ دین مسجدِ من شد ہمہ روی زمین
الاماں از گردشِ نہ آسمان مسجدِ مومن بدستِ دیگراں
سخت کوشد بندۂ پاکیزہ کیش تا بگیرد مسجدِ مولای خویش

چوں بنام مصطفیٰ خوانم درود — از خجالت آب می گردد وجود
عشق می گوید کہ ای محکوم غیر — سینۂ تو از بتاں مانند دیر
تا نداری از محمدؐ رنگ و بو — ز درود خود میالا نام او
از غلامی لذتِ ایمان مجو — گرچہ باشد حافظِ قرآں مجو
عید آزاداں شکوہ ملک و دیں — عید محکوماں ہجوم مومنیں ۱۰

مسلمانی کہ در بند فرنگ است — دلش در دست او آساں نیاید
ز سیمائی کہ سودم بر در غیر — سجود بو ذر و سلمان نیاید
جبین را پیش عزیٰ سودیم — چو گبران در حضور وی سرویم
نتالم از کسی، من نالم از خویش — کہ ماشایان شان تو نبودیم ۱۱

توحید اور رسالت کے عقائد مسلمانوں کی کامل یک جہتی و یگانگی کے متقاضی ہیں اسی لئے کہ

ایک ہی سب کا نبی دین بھی، ایمان بھی ایک (۱۲)

مگر مسلمانوں کا نفاق و افتراق بڑھتا ہی جا رہا ہے اقبالؒ کی زندگی کا ایک مقصد اسلام کی عالمگیر اخوت کا پیغام پہنچانا تھا۔ اتحاد اور پین اسلامزم کے وہ انتھک مبلغ رہے ہیں۔ اس کام میں بھی آپ نے مسلمانوں کو سیرت رسولؐ سے مستنیر و مستفید ہونے کا گر سمجھایا ہے۔ حاتم طائی یعنی (سردار طے) کی بیٹی کی "سر پوشانی کے ذکر کے (۱۳) ضمن میں اقبالؒ آنحضرتؐ کے اس بابرکت کرم کا ذکر فرماتے ہیں جس کے تحت مسلمان ہر قسم کے امتیازات و تفرقوں سے مصئون ہو گئے۔ کاش آنحضرتؐ کے درس اتحاد کو مسلمان گرہ میں باندھ لیتے اور ایک مستحکم قوت بنے رہتے:

در مصافی پیش آں گردوں سریر — دختر سردار طی آمد اسیر

پائی در زنجیر و ہم بی پردہ بود — گردن از شرم و حیا خم کردہ بود
دخترک را چوں نبیؐ بی پردہ دید — چادر خود پیش روی او کشید
ما ازاں خاتون طی عریاں تریم — پیش اقوام جہاں بی چادریم
روز محشر اعتبار ماست او — در جہاں ہم پردہ دار ماست او
چوں گل صد برگ ما را بو یکیست — اوست جان ایں نظام و او یکیست
ہمچو سلمؐ تجلی گاہ او — طورہا بالد ز گرد راہ او
مست چشم ساقی بطحاستیم — در جہاں مثل می و میناستیم ۱۴

"مثنوی" رموز بیخودی" کا ایک عنوان ہے۔ قوم افراد کے اختلاط سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی تکمیل تربیت نبوت سے ہی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

از رسالت ہم نوا گشتیم ما — ہم نفس، ہم مدعا گشتیم ما
دین فطرت از نبیؐ آموختیم — در رہ حق، مشعل افروختیم
ایں گہر از بحر بی پایان اوست — ما کہ یکجائیم از احسان اوست
لا نبی بعدی ز احسان خداست — پردۂ ناموس دین مصطفیٰؐ است
دل ز غیر اللہ مسلماں برکند — نعرۂ لا قوم بعدی می زند

اسی لئے اقبال عربوں کے افتراق پر اس طرح آبدیدہ نظر آتے ہیں:۔

امتی بودی، امم گردیدہ ای — بزم خود را خود ز ہم پاشیدہ ای
ہر کہ از بند خودی وارست، مرد — ہر کہ با بیگانگاں پیوست، مرد
آنچہ تو با خویش کردی، کس نکرد — روح پاک مصطفیٰؐ آمد بدرد (۱۵)

نکاتِ معراج

اسراء اور معراج رسول کا واقعہ عالم انسانیت کا بے نظیر واقعہ ہے۔ روحانی اور جسمانی

معراج کی بحثوں سے قطع نظر یہ عظیم واقعہ اس بات کا مظہر ہے کہ اشرف بشر نے عالم ملکوت ماورائے افلاک اور لامکاں تک سفر فرمایا اور انسانوں کو ان دیکھی حقیقتوں سے آگاہی بخشی ہے وہ صادق و امین کے پیرو ان نادیدہ حقائق پر ایمان رکھتے ہیں اقبالؒ کی شاہکار تصنیف "جاوید نامہ" روایات معراج کے تتبع میں ہی ہے۔ اقبالؒ نے کئی مقامات پر لکھا ہے کہ یہ واقعہ مسلمانوں کی جسمانی اور روحانی قوتوں کے اعتلا اور ارتقاء کی خاطر ایک زبردست جذبہ تحرک ہے۔ یہ جذبۂ تحرک باطنی بھی ہے۔ مگر اس کے اثرات ظاہری ہیں۔ وہ باطنی بھی اقبالؒ کے بیان فرمودہ نکات معراج ایک جداگانہ موضوع ہے۔ یہاں چند اشعار کے انتخاب سے علامہ مرحوم کے عندیہ کو ظاہر کر رہے ہیں۔

رہ یک گام ہے ہمت کے لئے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

چیست معراج؟ آرزوئے شاہدی — امتحانی روبروئے شاہدی
شاہد عادل کہ بی تصدیق او — زندگی ما را چو گل ... رنگ و بو
از شعور است اینکہ گوئی نزد و دور — چیست معراج انقلاب اندر شعور

ناوک ہے مسلماں، ہدف اس کا ہے ثریا
ہے سر سرا پردۂ جاں نکتۂ معراج
تو معنی والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفےٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

جاوید نامہ میں آپ نے شیخ حسین بن منصور حلاج بیضاوی ... کی زبانی دیدار رسولؐ کی معنویت بیان فرمائی ہے۔ تقلید و عشق رسولؐ کی ... ت سے خود شناسی

کے مراحل طے کرنا — اقبال کی نظر میں دیدار رسولؐ ہے اور اسی بات کو آپ مثنوی اسرار خودی کے باب عشق میں باندازِ دلربا بیان فرما چکے ہیں۔ جاوید نامہ میں ہے۔

معنی دیدار آں آخر زماںؐ — حکم او بر خویشتن کردن رواں
در جہاں زی چوں رسولؐ انس و جاں — تا چو او باشی قبول انس و جاں
باز خود را بیں ہمیں دیدار اوست — سنت اوؐ سرّی از اسرار اوست

آنحضرتؐ نے بعثت سے قبل، کئی برس تک غار حرا میں تحمید و تقدیس الٰہی فرمائی اور قدرت الٰہیہ پر تدبر و تفکر فرمایا ہے۔ آپؐ پانی اور ستو ساتھ لے جاتے اور کئی کئی دن رات اسی پر اکتفا کرتے (دیکھیے صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایات) ظاہر ہے کہ صوفیہ نے اسی روش کو اپنانے میں ایک پورا مسلک قائم کر لیا۔ رمضان شریف کے عشرہ آخر میں اعتکاف کی خلوتی عبادت ایک معروف سنت ہے اقبالؒ نے تفکر و تسخیر کی خاطر خلوت اپنانے پر زور دیا ہے تا کہ سیرت پاکؐ سے مستنیر ہو سکیں۔

عاشقی؟ محکم شو از تقلید یارؐ — تا کمند تو شود یزداں شکار
اندکی اندر حرای دل نشیں — ترک خود کن سوی حق ہجرت گزیں

محکم از حق شو سوی خود گام زن — لات و عزای ہوس را سر شکن
تا خدای کعبہ بنوازد ترا — شرح انی جاعل سازد ترا ۱۰

یہ چند گزارشات اس بات کی مظہر ہیں کہ اقبالؒ نے عشق رسولؐ کو ہی نہیں بس اس کے تقاضوں کو اپنانے کی تلقین فرمائی ہے یہ تقاضے اپنی نسبت اُمّی کا احساس رکھنے اور سیرت پاکؐ کے پہلوؤں کا جس حد تک بھی اپنی محدودیت کے اعتبار سے ممکن ہو اپنی خودی میں انعکاس کرنا ہے اگر یہ نہ ہو تو دعوئ عشق و محبت کا بودا پن اظہر من الشمس ہے

حواشی

۱ مقالات اقبالؒ مرتبہ سید عبدالواحد معینی صفحہ ۱۹۵، ۱۹۹

۲ پیامِ مشرق ص ۸

۳ اسرار و رموز ص ۱۱۷

۴ اسرار و رموز ص ۷۰، ۱۹۲، ۱۸۷

۵ جاوید نامہ ص ۷۶

۶ ارمغانِ حجاز ص ۸۱

۷ ارمغان حجاز ص ۲۲۔ یہی رباعی اقبالؒ نے ایک صوفی باصفا کی تملیک میں دیدی تھی دیکھیے انوار اقبالؒ ص ۲۲۳

۸ اسرار و رموز ص ۱۵۱، ۱۵۲

۹ جاوید نامہ ص ۲۲۱

۱۰ پس چہ باید کرد ص ۲۵، ۴۹، ۵۰

۱۱ ارمغان حجاز ص ۱۱، ۵۱

۱۲ بانگ درا ، جواب شکوہ

۱۳ دیکھیے الکامل فی التاریخ لابن اثیر ص ۹۔ ہجری کے واقعات

۱۴ اسرار و رموز ص ۲۱

۱۵ پس چہ باید کرد ص ۵۴

۱۶ بانگ درا ص ۲۸۱

۱۷ جاوید نامہ ص ۱۴، ۳۰

۱۸ ضرب کلیم ص ۹

۱۹ بال جبریل ص ۴۴

۲۰ مثنوی اسرار و رموز ص ۲۳

تکمیلِ اخلاق ـ کارِ نبوّت

(ماخوذ از آثارِ اقبال)

تحریر: حکیم الامت علامہ محمد اقبال

دنیا میں نبوت کا سب سے بڑا کام تکمیل اخلاق ہے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق یعنی میں نہایت اعلیٰ اخلاق کے اتمام کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اس لئے علماء کا فرض ہے کہ وہ رسول اللہ کے خلاق ہمارے سامنے پیش کیا کریں۔ تاکہ ہماری زندگی حضورؐ کے اسوہ حسنہ کی تقلید سے خوشگوار ہو جائے۔ اور اتباع سنت زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں تک جاری وساری ہو جائے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے خربوزہ لایا گیا تو آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے معلوم نہیں رسول اللہ نے اس کو کس طرح کھایا ہے۔ مبادا میں ترک سنت کا مرتکب ہو جاؤں ؎

کامل بطام در تقلید فرد!

اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

افسوس کہ ہم میں بعض چھوٹی چھوٹی باتیں بھی موجود نہیں ہیں جن سے ہماری زندگی خوشگوار ہو اور ہم اخلاق کی فضا میں زندگی بسر کر کے ایک دوسرے کے لئے باعث رحمت ہو جائیں۔ اگلے زمانے کے مسلمانوں میں اتباع سنت سے ایک اخلاقی ذوق اور ملکہ پیدا ہو جاتا تھا اور وہ ہر چیز کے متعلق خود ہی اندازہ کر لیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ اس چیز کے متعلق کیا ہو گا۔

مُبلّغِ خودی عاشقِ رسولؐ

تحریر: سید محمد علی میکش

علامہ اقبال کی حیات میں ان کی شاعرانہ قوت اور فلسفیانہ عظمت کا احساس و اعتراف ہندوستان کے علاوہ ایشیا اور یورپ کے تمام مہذب ممالک کو پوری طرح ہو چکا تھا۔ لیکن ایسے بھی اکثر واقعات ہوتے ہیں۔ جو زندگی میں قابل اعتنا نہیں سمجھے جاتے اور موت کے بعد اس لئے بھی بیان کئے جاتے ہیں کہ دکھے ہوئے دل کچھ نہ کچھ سننا چاہتے ہیں اور کہنے والوں کو معمولی واقعات کے بھی اچھے سننے والے بھی میسر آ جاتے ہیں۔ علامہ اقبال کی وفات کے بعد ان کی نجی زندگی کا سب سے زیادہ تابناک پہلو جو ہمارے سامنے آیا۔ وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبت ہے۔ اس طرح ان کی شخصیت جسے ہم اب تک صرف قابلِ قدر ہی سمجھتے تھے قابلِ احترام و عقیدت بھی ہو جاتی ہے۔ موصوف باوجود اپنی عمیق فلسفیت اور عقلیت کے حب رسولؐ کی شورش و سرمستی میں گم ہو کر رہ گئے ہیں یہ ایک مسلم سعادت ہے جو زور بازو سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کے ساتھ ایک محقق کے لئے لمحہ فکریہ بھی پیش کرتی ہے کہ مبلغ خودی جو ساری عمر تبلیغ خودی میں صرف کرتا ہے۔ کس طرح عملاً غیر خودی کی محبت میں گرفتار ہے۔ اس بات پر غور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم فرداً فرداً اور مجموعی طور سے عنوان کے تینوں حصوں پر نظر ڈالیں۔

اگر تخلیق عالم محض ضرورت کا نتیجہ تسلیم کیا جائے جیسا کہ سمجھتے ہیں۔ تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ عالم میں غیر ضروری اشیاء کا وجود ہی نہیں ہے لیکن بدایتاً ہم دیکھتے ہیں کہ بقائے حیات کے لئے جن اشیاء کی ضرورت ہے اس سے بہت زیادہ سامان عالم کو عطا کیا گیا ہے اور اس بہت زیادہ کے علاوہ حسن و جمال یقیناً ہے نہ مادے کو ضرورت ہے نہ حیات کو بلکہ مادے اور حیات کے انتہائی نقطہ ارتقاء پر جمال کا ظہور ہوتا ہے جہاں ضرورت کا کوئی مفہوم نہیں ہے اور چونکہ جمال ہی کائنات کی حقیقت ہے اس لئے ارتقائے کائنات کا رخ جمال کی طرف ہے چونکہ محبت جمال ہی کی ایک شکل ہے اس لئے وہ بھی قانون ضرورت کی پابند نہیں ہو سکتی۔

کلیہ ہے کہ ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع ہوتی ہے۔ اسی خواہش رجوع کا نام محبت ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ محبت سے کائنات کا کوئی ذرہ خالی نہیں یہی وجہ ہے کہ لطیف طبیعتوں کی خواہش اور میلان نفیس صورتوں، موزوں آوازوں اور نیک خصلتوں کی طرف ہوتا ہے کیونکہ ان سب اشیاء کی اصل اور جنس مشترک لطافت و تجرد ہے۔

انسان کا شرف و امتیاز اور اس کے بلند محسوسات و خصائل ہی کی وجہ سے ہے ورنہ نفس ترکیب اور فیضان حیات کے اعتبار سے انسان اور حیوان برابر ہیں۔ تمام انسانی خصائل و جذبات میں لطیف ترین و مقدس ترین جذبہ "محبت" ہی ہے کیونکہ وہ حسن سے اتصال کی خواہش ہے اور اس سے خود بھی حسن ہے۔

جس طرح علم کا شرف اس کے موضوع کے اعتبار سے ہوتا ہے اسی طرح محبت کا معیار پستی و بلندی محبوب کی شخصیت سے قائم ہوتا ہے اس لئے انسان سے محبت کرنے والا مکان و حیوان، و زر و جواہر سے محبت کرنے والوں سے افضل و اعلیٰ ہونا چاہیئے۔ اسی طرح انسانوں میں بھی جس کا محبوب صوری و معنوی کمالات کے اعتبار سے اعلیٰ و افضل ہوگا۔ وہ محبت کرنے والا بھی تمام محبت کرنے والوں سے اعلیٰ و افضل ہوگا۔

تاریخی اور اسلامی نقطہ نظر سے مسلمہ طور پر حضورؐ اقدس کی ذات قدسی صفات کیا باعتبار خصائص الوہیت اور کیا باعتبار کمالات عبدیت کامل ترین اور افضل ترین ہے۔ مسئلہ افضلیت سے قطع نظر یہ ظاہر ہے کہ حضورؐ کے ساتھ محبت کرنے والے کی محبت کا تعلق اسی جہت اکملیت و افضلیت سے ہے اس لئے اس محبت کے اعلیٰ و افضل ہونے میں شک ہی نہیں کیا جا سکتا خود حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے مال و اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں (او کما قال) لہٰذا اسلامی نقطہ نظر سے بھی ایمان لمبی داڑھیوں اور اونچے تہبندوں

علامہ اقبالؒ وحدۃ الوجود کے شدت سے معتقد تھے اس گروہ کا مسلک ہے کہ وجود اور موجود ایک ہے زیادہ نہیں   مسیحیت اپنی تثلیث کی وجہ سے اس عقیدے سے خالی ہے اسے بھی بدھ مذہب کی طرح ہستی میں خیر سے زیادہ شر نظر آتا ہے عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے جس کا مطلب ہے کہ کوئی آدمی نیک نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ بدھ مذہب کا مقصود بھی ہستی کی انانیت کو فنا کرنا اور زندگی کے عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے عیسائیت کی رہبانیت اور ترک دنیا اور کفارے کے عقائد کی بنیاد یہی عقیدہ ہے۔ یہودیت میں صفات الٰہی کا تجسم، قہر و انتقام کی شدت اور ادنیٰ سبب

کے تمثیلی بیان اس عقیدے کے لئے راس نہیں ہیں۔ ایرانی مذاہب خیر و شر کی دوئی سے باہر نہ آ سکے اس لئے صرف ویدانت کا عقیدہ رہ جاتا ہے جو اسلامی وحدۃ الوجود کے مماثل بھی ہے اور اس سے قدیم بھی ویدانت کے دو بڑے اسکول ہیں ایک کا عقیدہ ہے کہ خالق نے کائنات میں حلول کیا ہے یہ عقیدہ وحدۃ الوجود کے اصولاً منافی ہے کیونکہ حلول یا اتحاد کے لئے ثنویت کا اعتقاد لازمی ہے دوسرا اور بڑا اسکول وہ ہے جس کا عقیدہ ہے کہ حق تعالےٰ کے سوا تمام اشیاء باطل اور اعتباری ہیں ہم خدا کو کائنات کے ذریعے سے ادراک نہیں کر سکتے جسمانی تعلقات کا بندھن توڑ کر اس کو پا سکتے ہیں بغیر یہ بندھن توڑے ہوئے آواگون کے چکر سے نکلنا محال ہے معرفت کی انتہا یہ ہے کہ آتما پرم آتما میں اپنے کو فنا کر دے۔

یہاں بھی اصل عقیدے کا پس منظر فنا اور ترک تعلقات ہی ہے لیکن اسلامی وحدت الوجود عالم کو عین حق کہتا ہے وہ ترک عالم کی تعلیم نہیں دیتا۔ بلکہ عالم کو صحیح طور سے سمجھنے کی ترغیب دیتا ہے اسلامی شعراء نے باستثنائے عارف رومیؒ اور شاہ نیاز بریلویؒ اس مسئلے کو پوری طرح نہ سمجھایا۔ بیان کرنے کی کوشش نہ کی۔ متاخرین میں علامہ اقبال تنہا شخص ہیں۔ جنہوں نے اسے بہتر طریقے سے سمجھا اور بہترین طریقے پر بیان کیا۔

گفت آدم؟ گفتم از اسرار اوست
گفت عالم؟ گفتم او خود روبروست

یہ عالم اور یہ رنگ و بو کا محشر حقیقت کے لئے حجاب حقیقی نہیں ہے بلکہ فہم و نظر کے لئے پردہ ہے لہٰذا اسلام کسی طرح ترک عالم کی تعلیم نہیں دے سکتا۔ کیونکہ ترک عالم در اصل ترک حقیقت ہے۔

کمال ترک نہیں آب و گل سے مہجوری
کمال ترک ہے تسخیر خاکی و نوری   اقبالؒ

محض ہمارے اعتبار سے وجود کی دو جہتیں ہیں۔ ظہور اور بطون یا ذہنی اور خارجی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جہت باطن تو جو کچھ تھی۔ وہ تھی ہی لیکن آپ کی جہت ظاہر کو موجودات خارجی کی بھی مرکزیت حاصل ہے اور بعنوائے المجاز قنطرۃ الحقیقۃ حضورؐ کی جہت ظاہر زینہ حقیقت ہے اس لئے حقیقت یا خود تک پہنچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ اپنے مرکز کی طرف بڑھیں اسی کا دوسرا نام محبت رسولؐ ہے لہٰذا علامہ اقبال بحیثیت مبلغ خودی کے محبت رسولؐ پر مجبور تھے کیونکہ عرفان خودی اور محبت رسولؐ لازم و ملزوم ہیں بلکہ علامہ کے نزدیک حقیقت، خدا، خودی اور رسولؐ ایک مسمیٰ کے

متعدد اسم اور ایک ہی حقیقت کی مختلف جہتیں ہیں۔ جاوید نامے میں فرماتے ہیں۔

پیشِ او گیتی جبیں فرسودہ است — خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است

عبدہٗ، از فہم تو بالا تر است — زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است

عبدہٗ، صورت گرِ تقدیرہا — اندر و ویرانہ ہا تعمیرہا

عبدہٗ، دیگر عبدہٗ چیزے دگر — ما سراپا انتظار او منتظر

عبدہٗ، دہر است و دہر از عبدہٗ ست — ما ہمہ رنگیم او بے رنگ و بو است

کس ز سرِ عبدہٗ، آگاہ نیست — عبدہٗ، جز سرِ الا اللہ نیست

لا الٰہ تیغ و دمِ او عبدہٗ
فاش تر خواہی بگو ہو عبدہٗ

اکثر اصحاب کو علامہ کی خودی کی اصطلاح پر اعتراض ہے وہ اسے قدیم اسلامی تصوف کے خلاف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اصطلاح خطا ہونے یا اعتراض کرنے کی چیز نہیں ہے قدیم تصوف میں بھی جگہ جگہ عرفانِ نفس کی تاکید ہے علامہ عرفانِ نفس کو عرفانِ خودی کہتے ہیں۔ نفس اور خودی میں فرق ہی کیا ہے شاید وجہ اشتباہ یہ ہو کہ قدیم صوفیہ ترکِ خودی کی تعلیم دیتے ہیں۔ لیکن وہاں ان کی مراد خودی سے وہمِ غیریت ہے۔ یعنی وہ شخص جو انسان نے مغائر حقیقت قائم کر لیا ہے علامہ بھی اس خودی کے مبلغ نہیں ہیں ان کی خودی یہ ہے۔

خودی را از وجودِ حق وجودے — خودی را از نمودِ حق نمودے

کفِ خاکے کہ دارم از در اوست — گل و ریحانم از ابرِ تر اوست

"من" را می شناسم من نہ "او" را
ولے دانم کہ من اندر بر اوست — اقبالؔ

صوفیہ متقدمین کے کلام میں جہاں کہیں ترکِ دنیا یا ترکِ خودی کے الفاظ آئے ہیں۔ وہ سب اسی وہمِ غیریت اور حبِ ماسوا کے لئے مستعمل ہوئے ہیں۔ خود علامہ کو بھی اس اندازِ کلام کے بغیر چارہ نہ ہوا۔ فرماتے ہیں۔

جنگِ مومن چیست ہجرت سوئے دوست
ترکِ عالم اختیارِ کوئے دوست

نعت اور منعوتِ نبیؐ سے اقبالؒ کا قلبی تعلق

تحریر: سید وحید اللہ وحید

علامہ اقبال کا یہ جذب ان کے ترقی پذیر کلام کے ساتھ ساتھ تدریجاً نکھرتا اور ترقی کرتا گیا تا آنکہ جب ان کا کلام انتہائی بلندیوں پر پہنچا تو وہ ان مقامات "نبوت کبریٰ" بھی اسی لحاظ سے منکشف اور منتج ہوئے یہی وجہ ہے کہ جب حضورؐ کا نام مبارک یا ذکر مبارک کسی کی زبان پر آ جاتا تو ان کی آنکھیں بے اختیار اشک آلود ہو جاتیں۔ ان کی زندگی کے آخر کا ذکر ہے کہ "یوم اقبال" کے موقع پر مولوی اسلم صاحب جیراجپوری نیاز حاصل کرنے کے لئے گئے تھے۔ وہ زبنی اس ملاقات کا ذکر "جامعہ" میں یوں کرتے ہیں "دوسرے دن ہم ڈاکٹر اقبال سے ملے جو جانے پر مستعد تھے۔ ۹ بجے سلسلۂ گفتگو ۱/۲ ۱۰ بجے تک رہا۔ امسال حج کی شرکت کا ارادہ رکھتے تھے مگر بیماری اور کمزوری کی حالت یہ تھی کہ کوٹھی سے باہر نکلنا مشکل ہے۔ کہتے تھے کہ میں دو سال سے ارادتاً سفرِ حج میں ہوں بلکہ وہ اشعار بھی لکھ رہے ہیں جو اس سفر سے متعلق ہیں ان میں سے کہیں کہیں سے کچھ سنایا بھی۔ مکے سے مدینے روانگی کے وقت ایک غزل لکھی ہے جس میں اللہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

تو باش اینجا و با خاصاں بیامیز
کہ من دارم ہوائے منزلِ دوست

یہ شعر سناتے ہی گریہ ایسا گلو گیر ہو گیا کہ آواز بند ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے"۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شعر بالکل آیۂ ان اللہ وملٰئکتہٗ یصلّون علی النبی (بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں)

درجہاں شمعِ حیات افروختی
بندگاں را خواجگی آموختی

(کائنات میں آپ ہی نے شمعِ حیات روشن کی مظلوموں کو سرداری سکھائی)

اردو اور فارسی شاعری کے ہر دور میں نعت گوئی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ان ہر دو زبانوں میں نعت شریف کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ ہر دور کے چھوٹے بڑے شعراء بقدرِ ہمت اس سعادت میں شریک ہوتے رہے۔ دورِ حاضر کے شاعرِ اعظم علامہ اقبالؒ نے بھی اپنی مخصوص طرز کے شایانِ شان پورے جوش اور اخلاص سے اس میں حصہ لیا۔ اس لحاظ سے بھی کہ وہ مشرق کے شاعرِ اعظم تھے۔ اس اعتبار سے بھی کہ وہ انسانیت کا پیغام پہنچا رہے تھے۔ ان کا یہ پیامِ انسانیت ناقص رہ جاتا اگر ان کا تصورِ انسان کامل تک رسائی حاصل نہ کرتا۔

علامہ اقبال کو ذاتِ رسالت مآبؐ سے غیر معمولی عشق و محبت تھی۔ ان کے حکیمانہ دل و دماغ نے یہ محسوس کر لیا کہ حبِ نبویؐ کے بغیر سارا علم و عمل حجاب ہی حجاب ہے کیونکہ انسانیت کی حقیقی تعمیر کے لئے جس فکر و عمل کی ضرورت ہے اس کا مرجع اور مرکز ذاتِ رسالت مآبؐ ہی ہے:

ایں ہمہ از لطفِ بے پایانِ تو
فکرِ ما پروردۂ احسانِ تو

(سب کچھ آپؐ کی عنایتِ بے پایاں ہی سے حاصل ہوا ہمارا فکر آپؐ کی آغوشِ احسان کی پروردہ ہے)

کے استغراق کا پُرکیف احساس ہے۔

نعت کے پاکیزہ موضوع پر علامہ اقبال کی مستقل نظمیں موجود ہیں، ان کے علاوہ مختلف نظموں، رباعیوں اور غزلوں میں کہیں جستہ جستہ اور کہیں مسلسل شعر بھی پائے جاتے ہیں۔ اسی سرمایۂ نجات و فلاح میں ایسے ایسے درِ شہوار موجود ہیں کہ آئندہ اہلِ دل اور اہلِ نظر کسبِ ضیا کریں گے۔

"عندلیبِ باغِ حجاز" اپنے سینائے دل کی فضاؤں میں گرمِ پرواز ہو کر بارگاہِ صمدیت میں یوں شرفِ مخاطبت حاصل کرتا ہے:

شکر شکوے کو کیا حسنِ ادا سے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے

بارگاہِ قدس سے اپنے حبیبؐ کی صفت ثنا میں ڈوبی ہوئی ندا آتی ہے:

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

ذکرِ نبیؐ کی ابدیت اور رفعت کی نوید سنائی جاتی ہے:

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رفعنا لک ذکرک دیکھے

اقبال کوچۂ حبیبؐ کا سکندر دماغ گدا ہے۔ ماشاءاللہ کیا شانِ گدائی ہے کہ شوکتِ سلاطین اس کا طواف کرے:

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغِ سکندری

سبحان اللہ کیا سرفرازی ہے کہ فرشتے بارگاہِ رسالت میں لے جاتے ہیں۔ یہ "عندلیبِ باغِ حجاز" یوں مخاطبت کی عزت حاصل کرتا ہے:

کہا حضورؐ نے اے عندلیبِ باغِ حجاز
کلی کلی ہے تری گرمیِ نوا سے گداز

اقبال کا قلبِ صافی آشوبِ دہر سے سرخوشیِ جامِ ولائے محمدؐ ہے اس کی شکستگی اور فتادگی غیرت وہ سب جانتے ہیں:

ہمیشہ سرخوشِ جامِ ولا ہے دل تیرا
فتادگی ہے تری غیرتِ سجودِ نیاز

حضورِ رسالت مآبؐ میں آبگینۂ دل تحفہ میں پیش کرتا ہے جس میں اُمت کی آبرو اور طرابلس کے شہیدوں کا خون جھلک رہا ہے:

جھلکتی ہے تری اُمت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

حضرت صدیق اکبرؓ جن کا سینہ آتشِ عشق و محبت کا مجمر تھا، ایک دن سارا سرمایۂ روزگار حضورِ نبویؐ میں خدمتِ اسلام کے لئے پیش کرتے ہیں۔ ان کے احساسِ فدائیت کی ترجمانی حضرت اقبال کی زبان سے سنیے:

اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعثِ تکوینِ کائنات
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

حضرت بلالؓ جن کی فطرت "نورِ نبوت" سے مستنیر تھی ان کے بیتابِ جان و دل کا بیان کیا خوب ہوا:

نظر تھی صورتِ سلماںؓ ادا شناس تری
شرابِ دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری

حضرت بلالؓ کو مثلِ کلیم نظارے کا سودا تھا:

تجھے نظارے کا مثلِ کلیم سودا تھا
اویس طاقتِ دیدار کو ترستا تھا

ادائے دید کے پردے میں "نیاز" و "ناز" کی یکجائی کا نقشہ کس خوبی سے کھینچا ہے:

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اشتیاقِ دید کی سعادت میں اقبال کا دل کس درجہ شریک ہے، اس کا اندازہ کیجیے:

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

سیرتِ طیبہ میں معراج ایک مہتم بالشان حقیقت ہے اس کا فیضان بقدرِ ظرف و ہمت ہر مسلم پر عام ہے:

رہ اک گام ہے ہمت کے لئے عرشِ بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

"نکتۂ معراج" "سرِ سراپردۂ جاں" ہے جسے علامہ اقبال نے سمجھ، رفعتِ نظر کی ثریا اس کا ہدف بنی:

ناوک ہے مسلماں ہدف اس کا ہے ثریا
ہے سرِ سراپردۂ جاں نکتۂ معراج

جب سے اس نکتے کو نہ سمجھا اس کا مد و جزر جاتا رہا تو مستیِ والنجم سمجھا تو عجب کیا ہے تیر اعدا جذر ابھی جذبہ کا فقدان ہے کہیں ملتِ مرحومہ کی تباہ حالی پر اقبال بارگاہِ رسالت نبویؐ میں عرض کرتے ہیں:

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے

اور یہ عرض یہ ہے جب جب اقبال کا ربطِ محبت ذاتِ نبوتؐ سے بڑھتا گیا، ان کے قلبِ مجلّی پر مقاماتِ نبوت کا انکشاف ہوتا گیا، یہاں تک کہ "انّ من نور اللہ کل خلقھم من نوری" (میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے) کے جاودانی کیف و سرور کو اقبال کی بصیرت نے پا لیا اور ان کی یہ بصیرت اس قدر بلند ہوئی کہ بصارت پر چھا گئی۔ اب وہ خودی کی خلوتوں میں کبریائی اور اس کی جلوتوں میں مصطفائی کا تماشا بے حجاب کرنے لگے:

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی

ظاہرش از جلوہ ہائے دل فروز
باطنش از عارفاں پنہاں ہنوز

اس موضوع پر نسبتاً علامہ اقبال کی فارسی نظموں میں نہایت لطیف اور نازک مضامین زیادہ آئے ہیں۔ ان سب کا احاطہ اس موقع پر ناممکن ہے اس لئے فارسی کے چند شعر پیش کر کے مضمون ختم کیے دیتے ہیں:

حضورؐ کا ظہور زندگی کا شباب ہے۔ آپ کے جلوے کے بغیر زندگی ایک خوابِ بے تعبیر ہے:

اے ظہورِ تو شبابِ زندگی
جلوہ ات تعبیرِ خوابِ زندگی

حضورؐ کے ظہور نے کائنات کے مدارج بلند و بالا کر دیے۔ آپ کی دولتِ فقر نے کائنات کو ابدی حقائق کا سرمایہ دار بنا دیا۔ فقرِ محمدیؐ کو سرمایۂ کائنات بتانا حقیقت کی کتنی پاکیزہ تعبیر ہے:

از تو بالا پایۂ ایں کائنات
فقرِ تو سرمایۂ ایں کائنات

حقیقی فقر و شاہی اسی ذات کے فیضان سے ہے یہ ساری تجلیاں اسی جلوے کی دریوزہ گری سے مالا مال ہیں:

فقر و شاہی واردات مصطفےٰؐ
ایں تجلیہائے ذاتِ مصطفےٰؐ

"آیتِ کبریٰ" حضورؐ کا مقام خصوصی ہے اس مقام تک رسائی انسان کا کمال اور معراج ہے حضورؐ کا آشکارا دیدار اور حضورؐ کی حقیقت کا واضح ادراک

حالات سے پریشان ہو کر کائنات کو انتقام پر آمادہ کرتا ہے:

پاش پاش از ضربتش لات و منات
انتقام از وے بگیر اے کائنات

اس کا خیال ہے کہ حقیقت میں غائب سے وابستگی خطا ہے۔ جو چیز چشمِ محسوس سے اوجھل ہے وہ معدوم ہے:

دیدہ بر غائب فرو بستن خطاست
آنچہ اندر دیدہ می ناید کجاست

اسلام نے ملک و نسب، نقص و شرفِ خاندانی کی پرستش پر پانی پھیر دیا۔ ایک ممتاز قریشی کے ہاتھوں قومی اور نسلی بت کی شکست اس کے لئے حیرت انگیز ہے:

مذہب او قاطع ملک و نسب
از قریش و منکر از فضل عرب

اسلام نے آقا و غلام، رنگ و نسل کا امتیاز مٹا دیا۔ مساوات کے خلاف عادت عمل اس کے احساسِ تکبر پر ایک کاری ضرب ہے:

در نگاہِ او یکے بالا و پست
با غلام خویش بر یک خواں نشست

حضرت اقبالؒ کا جس قدر کلام نعت میں ہے وہ اس قدر بلند، وسیع اور کثیر ہے کہ ایک ہی صحبت میں سب کا سب پیش نہیں کیا جا سکتا۔ انشاء اللہ کسی اگلی صحبت میں اس کی تکمیل ہو سکے گی۔

زدنہ اب ہے سینے میں شیخِ نفس
مگر تابِ گفتار کہتی ہے بس

ہماری سیر اور معراج کا منتہا ہے اور ہم حضورؐ کے ضمیر کی گہرائیوں میں اپنی مسجد اقصیٰ (انتہائی مقامِ عبدیت) پا لیتے ہیں۔

آشکارا دیدنش اسرائے ما
در ضمیرش مسجد اقصائے ما

قندھار میں حضورؐ کے خرقۂ مبارک کی زیارت کے بعد اقبال کے حسیات کا ارتعاش اور جذبات کا تلاطم دیکھیے:

نعرہ زد سینہ ام زد در جنوں
تا ز راہِ دیدہ می آید بروں

بوئے پیراہن پاک سے جن کی مشامِ جاں معطر ہو جاتی ہے تو یہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں:

آمد از پیراہنِ او بوئے او
داد ما را نعرۂ اللہ ہو

آپ حضرت صدیقؓ اور حضرت بلالؓ کے سرور و بہجت و کامرانی سے محظوظ ہو چکے ہیں۔ ابتداً ابوجہل کے نوحۂ ہزیمت و شکست کو بھی گوش گزار فرمائیے۔

عہدِ جاہلیت کے افکار و عادات کے خلاف اسلام نے وحدت، اخوت، مساوات وغیرہ کی جو تعلیم دی ہے، وہ شکر فی الفتین کے خیال میں مقتول عرب کی تباہی کا باعث تھی۔ ابوجہل اسی پر نوحہ کرتا ہے۔ خصوصیات اور محاسنِ اسلام کا ذکر ابوجہل کے نوحے میں نعت گوئی کا نادر پہلو ہے۔ منظر نوحے اور زاری کا مشاہدہ کیجیے:

سینۂ ما از محمدؐ داغ داغ
از دمِ او کعبہ را گل شد چراغ

اپنے تصورِ جاہلیت کے خلاف آواز سے ابوجہل کا دل و دماغ ٹھکانے نہیں، اس لئے سارا معاملہ سحری پر محمول کیا ہے:

ساحر و اندر کلامش ساحری
این دو حرفِ لا الٰہ خود کافری

ذکرِ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور اقبالؒ

تحریر: پروفیسر محمد حسین آسی

دشت میں، دامنِ کہسار میں، میدان میں ہے — بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراکش کے بیابان میں ہے — اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے! — رفعتِ شانِ رفعنا لک ذکرک دیکھے

یہ ہے ذکرِ رسولؐ کی ہمہ گیری کا جلوہ جو اقبالؒ کے الفاظ میں کوہ و دمن اور بحر و بر میں فروزاں ہے۔ کائنات اس کی وسعتوں میں گم ہے اور یہ شرق و غرب کو اپنی لپیٹ میں لئے ہے۔ نقار خانۂ عالم کو جو ہر دن گردش ہو رہی ہے نہیں ترجمہ... کے بعد ایک ... ہے اور وہ ہے کہ زمین کے ... وادیِ ... آقائے ثقلین کے سامنے علیہ التحیۃ والثنا کی نعت کا ذوق و شوق کا ہنگامہ ہو یا علم و حکمت کی انجمن، عاشقوں کی بزمِ ناز ہو یا عارفوں کی محفلِ سرود، گریۂ نیم شبی ہو کہ آہِ سحرگاہی، ہر کہیں ذکرِ رسولؐ کا چرچا ہے۔ اسی کا سوز ہے، اسی کا ساز ہے۔ بلبل کا نغمہ ہو کہ مرغانِ سحر کا زمزمہ، پھولوں کی مہک ہو یا غنچوں کی چٹک، گل و بلبل ہر کہیں اسی ... یہ کائنات کی منزلِ مقصود ہے اور مظاہرِ فطرت اپنے اپنے انداز میں اسی کی طرف رواں دواں ہیں، بقول اقبالؒ:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو! — آنکہ از خاکش بروید آرزو!
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست — یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است!

گلشنِ ہستی محبوب کی جلوہ گاہ ہے اور یہی جلوہ اس کا سامانِ رنگ و بو ہے۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو — بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے — نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

زمین ہی کیا، آسمانوں کی عرش پر بھی ذکر گرم ہے۔ خدائی ہی نہیں، خدا بھی اپنی شانِ یکتائی کے ساتھ محبوب کا ... ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۔

پھر جس طرح یہ ذکر مکانی اعتبار سے طول و عرض کو گھیرے ہے، زمان کی عظیم پہنائیاں بھی اس کے دامن میں سمٹ آئی ہیں۔ صلوٰۃ و سلام کا یہ نورانی وظیفہ صبحِ ازل سے پہلے جاری ہوا اور شامِ ابد کے بعد تک جاری رہے گا۔ کیونکہ جو مکان محصور ہے ... یہ ذکر،

غیر محدود، زماں محدود اور یہ غیر محدود۔

فطرت کے رگ و پے میں نعتِ حبیب کا ذوق رچا بسا ہے اور جریدۂ عالم میں اس کا نور جاری و ساری ہے۔ مردِ مومن جس کے ارادے فطرت کے مقاصد کا معیار ہوتے ہیں اس سے کیونکر غافل ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی کتاب و سنت کے مطابق عشقِ حبیب ہی جانِ ایمان ہے اور بقول اقبالؒ ع عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات۔ اہلِ محبت سے یہ راز پوشیدہ نہیں ہے کہ عشق کا ایک اہم تقاضا ذکر ہے۔ جگر میں آگ لگی ہو تو زبان و بیان کا متاثر نہ ہونا محال ہے۔ پھر عاشق کے لئے محبوب کے بغیر کچھ کا جلوہ ہے نہ لائقِ بیان۔ اس کا یہ یقینی وصف شناسی ضبط کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اب اگر زبان سے بھی اظہار کے سوتے نہ پھوٹیں تو اور کونسی راہ ہے۔ خود معلمِ اعظم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ (جسے کسی شے سے محبت ہو وہ اس کا ذکر زیادہ کرے گا)

اقبال عشقِ رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی دولت سے تو سرفراز تھے ہی انھیں ذکرِ رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے بھی بہرہ وافر ملا تھا۔ خود فرماتے ہیں۔ ؎

کافرِ ہندی ہوں میں دیکھ مرا ذوق و شوق — دل میں صلوٰۃ و درود لب پہ صلوٰۃ و درود!

یادِ حبیبؐ ان کی زیست کا عنوانِ جلی ہے اور ان کی نظم و نثر اس پر شاہدِ عادل۔ سچ پوچھئے تو ان کے کمال کی بنیاد عشقِ رسول ہے اور کلام کی تاثیر ذکرِ رسولؐ سے ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں، صرف کلامِ منظوم سے چند شہ پارے پیش کئے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت علامہ نے ذکرِ حبیب مختلف انداز میں کیا ہے۔ انھوں نے روایتی انداز میں نعت کے عنوان سے بھی اشعار کہے ہیں اور اپنی اس والہانہ عقیدت کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ جو انھیں حضور محبوبِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے تھی۔ چنانچہ ایک اردو نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے (یہ ان کے ابتدائی دور کا کلام ہے)۔ ؎

نگاہِ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر — وہ بزمِ یثرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر
بہارِ جنت کو کھینچتا تھا جہاں مدینے سے آج رضواں — ہزار مشکل سے اس کو لایا بنے بہانے بنا بنا کر
رکھی ہوئی کام آجاتی ہے جنسِ عصیاں عجیب شے ہے — ادا سے پوچھتا پھرے ہے وہ شفاعت دکھا دکھا کر
شہیدِ عشقِ نبی ہوں میری لحد پہ شمعِ قمر جلے گی — اٹھا کے لائیں گے خود فرشتے چراغ خورشید سے جلا کر
خیالِ راہِ عدم سے اقبال تیرے در پہ ہے حاضر — بغل میں زادِ سفر نہیں ہے سوا تری نعت کا اٹھا کر!

کہیں نعت کی بجائے کوئی نعتیہ عنوان وضع کیا ہے، مثلاً "معراج"۔ یہ کئی ایک نظمیں ان کی مختلف کتابوں میں ہیں۔ "سرودِ رفتہ" میں اسی عنوان سے جو نعت درج ہے اس کے بعض اشعار درج ذیل ہیں۔ ؎

ہر دو جہاں میں ذکرِ حبیبِ خدا ہے آج — ہر ذرّے کی زباں پہ مسلسل ثنا ہے آج
اک جست ہی میں طے ہیں دو عالم کی وسعتیں — اور رشتۂ زمان و مکاں کٹ گیا ہے آج

طائرانِ حرمِ قدس کے سب نغمہ سنج ہیں — روح الامین بھی شوق سے مدحت سرا ہے آج
جو شعلہ زن ازل سے تھا اس کے قدم کو — ... وہ گنبد ہے در کھلا ہے آج
حوریں خوشی سے گیت ہیں گاتی بہشت میں — ذوق و شوق ... عرش صدائے مرحبا ہے آج
عشقِ نبی میں قبلہ نما سے ہوں بے نیاز — نورِ یقیں سے قلب ہی قبلہ نما ہے آج
اقبال اگر پھر ایک ہی جو کمسٹ پہ جھلک پڑے — آغوشِ رحمت اس کی اسی طرح وا ہے آج

قرآن کریم نے ذکرِ معراج سورۂ والنجم میں بھی کیا ہے۔ اقبال اس کی ترجمانی یوں کرتے ہیں:

تو معنیٔ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا! — ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج!

حضور رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ والا قدس میں فریاد و استغاثہ بھی پاکانِ امت کا معمول رہا ہے۔ امام بوصیری، شیخ سعدی اور مولانا جامی سبھی نے یہ فریضۂ محبت اپنے اپنے مخصوص انداز میں سرانجام دیا ہے۔ حضرت علامہ بھی اپنے رنج و غم کی داستان حضور شافعِ یوم النشور علیہ التحیۃ والثناء ہی کی بارگاہِ بیکس پناہ میں عرض کرتے ہیں۔ ان کے فارسی کلام میں تو اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مگر اردو کا دامن بھی خالی نہیں۔ "نالۂ یتیم" اور "فریادِ امت"، ان کی وہ معرکۃ الآرا نظمیں ہیں جو انھوں نے انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسوں میں سنائی تھیں۔ اوّل الذکر کے چند بند ملاحظہ ہوں۔

اے مددگارِ غریباں، اے پناہِ بیکساں — اے نصیرِ عاجزاں، اے مایۂ بے مائیگاں
کارواں صبر و تحمل کا چھٹا دل سے رواں — کہنے آیا ہوں میں اپنے درد و غم کی داستاں!
ہے تری ذاتِ مبارک حلِ مشکل کے لئے — نام ہے تیرا شفا دکھے ہوئے دل کے لئے

حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و رحمت کا بیان یوں کرتے ہیں:

بزمِ عالم میں طرازِ مسندِ عظمت ہے تو! — بہرِ انساں جبرئیلِ آیۂ رحمت ہے تو!
اے دیارِ علم و حکمت، قبلۂ امت ہے تو! — اے ضیائے چشمِ ایماں، زیبِ ہر دعوت ہے تو
درد جو انساں کا تھا تیرے پہلو سے اٹھا! — قلزمِ جوشِ محبت تیرے آنسو سے اٹھا!

اسی کا ایک اور بند ہے:

تیرا رتبہ جوہرِ آئینۂ لولاک ہے! — فیض سے تیرے رگِ تاکِ یقیں نمناک ہے
تیرے سائے سے منور دیدۂ افلاک ہے! — کیمیا کہتے ہیں جس کو تیرے در کی خاک ہے
تیرے نظارے کا موسیٰ میں کہاں مقدور ہے — تو ظہورِ لن ترانی گوئے اوجِ طور ہے!

غارِ حرا اور کوہِ فاران کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نے جس شرف سے بہرہ ور کیا۔ اس کا ذکر حسین ان الفاظ

میں کیا ہے:

وہ پناہِ دینِ حق، وہ دامنِ غارِ حرا! | جو ترے فیضِ قدم سے غیرتِ سینا ہُوا
وہ حصارِ عافیت وہ سلسلہ خاراں کا! | جس کے ہر ذرّے سے اُٹھی دینِ کامل کی صدا
فخر ماوئ سی ہے تیری آسماں سا ہو گئی! | یہ زمیں ہم پایۂ عرشِ مُعلّےٰ ہو گئی!!

ابرِ گہربار میں درج فریادِ اُمّت ہی کا دوسرا نام ہے، کے اشعار کے بند یوں عرض کرتے ہیں:

دیکھ لے نوح کی کشتی سے بچانے والے | آ گیا گردابِ حوادث میں سفینہ اپنا!
اس مصیبت میں اگر تو بھی ہماری نہ سُنے | اور ہم کس سے کہیں جا کے فسانہ اپنا!
یوں تو پوشیدہ نہ تھی تجھ سے ہماری حالت | ہم نے گھبرا کے مگر تذکرہ چھیڑا اپنا
زندگی تجھ سے ہے اے فخرِ براہیم اپنی | کر دو عاق سے مشکل ہُوا جینا اپنا

انجمن حمایت اسلام کے ۱۹۰۳ء کے سالانہ اجلاس میں جو نظم آپ نے سُنائی تھی اُس کا عنوان تھا "اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں سے" اس کے نو بند ہیں، آٹھویں بند کا آخری شعر اور نواں بند سرورِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت میں ہے۔ یہاں بھی اقبال کا اندازِ نعت بالکل منفرد ہے، (یعنی وہ دوسرے شعراء کی طرح صرف چند فضائل و مناقب تک ہی محدود نہیں رہتے۔ بلکہ اس عظیم روحانی، علمی، فکری و عملی انقلاب کی طرف اشارہ ضرور کر دیتے ہیں جو دراصل رسالتِ محمدیہ کی چمکتی ہوئی دلیل ہے)، چند شعر ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

اے کہ بردی از رموزِ عشق آساں کردۂ | سینہ ما از تجلی یوسفستان کردۂ!!
اے کہ صد طور است پیدا از نشانِ پائے تو | خاکِ یثرب را تجلی گاہِ عرفاں کردۂ!
اے کہ بعد از تو نبوت شد بہر مفہوم شرک | بزمِ ما روشن ز نورِ شمعِ عرفاں کردۂ
اے کہ ہم نامِ خدا بابِ دیارِ علم تو! | اے بودی و حکمت را نمایاں کردۂ!
دل نہ نالد در فراقِ ماسوائے تو رِ تو! | خشک چوبے را ز ہجرِ خویش گریاں کردۂ!!

اس آخری شعر میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مشہور معجزے کی طرف اشارہ ہے جس میں ایک لکڑی کا ستون سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فراق میں رو دیا تھا اور حاضرینِ مسجد نے اس کے رونے کی آواز جسمانی کانوں سے سُنی تھی۔ یہاں درج شدہ تیسرا شعر عقیدہ ختمِ نبوت کی پُر زور تفسیر و ترجمانی کر رہا ہے۔ مرزا قادیانی کا نام نہاد بروزیت کی دھجیاں اُڑا رہا ہے۔ رموزِ بیخودی میں "مقام رسالت اور دین، رسالت و نظامِ مصطفےٰ" پر خامہ آمادہ کرتے ہیں تو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ہی کو قوم کا سرمایۂ حیات اور نشو و نما قرار دیتے ہیں:

حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید | وز رسالت در تنِ ما جاں دمید!

از رسالت در جہاں تکوینِ ما | از رسالت دینِ ما آئینِ ما!
معنیِ حرفم کنی تحقیق اگر! | بنگری با دیدۂ صدیق اگر!
قوتِ قلب و جگر گردد نبی! | از خدا محبوب تر گردد نبی!
فرد از حق، ملت از وے زندہ است | از شعاعِ مہرِ او تابندہ است

آخر میں پھر ختمِ نبوت کا فلسفہ کتنے دلکش اسلوب میں پیش کیا ہے۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد! | بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
لا نبی بعدی ز احسانِ خداست! | پردۂ ناموسِ دینِ مصطفےٰ است!

حضور سیدِ کل ختم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نہ صرف کائنات اور خلاصۂ موجودات ہیں بلکہ گلشنِ ہستی کی ساری بہار اسی ذاتِ ستودہ صفات کے دم قدم سے وابستہ ہے۔ ان کے الفاظ میں ؎

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب | گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ | ذرّۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود! | فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام | میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے | عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

بلکہ خود دین و ایمان کی جان بھی محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کی ذاتِ گرامی ہی ہے۔ ؎

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کُل جس نے | غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا!
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر | وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ!

اور چونکہ یہ نگاہِ عشق و مستی خود اقبال کو بھی حاصل تھی، اس لئے اپنی ذات کے حوالے سے یوں عرض کرتے ہیں:

گردِ تو گردد حریمِ کائنات | از تو خواہم یک نگاہِ التفات!
ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی! | کشتی و دریا و طوفانم توئی!!

خوابگاہِ مصطفٰےؐ

"بانگِ درا" کے حصہ سوم کی پہلی نظم "بلادِ اسلامیہ" ہے۔ اس نظم میں حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ دلی، بغداد، قرطبہ اور قسطنطنیہ کا ذکر کرنے کے بعد مدینۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

وہ زمیں تُو ہے مگر اے خوابگاہِ مصطفٰےؐ — دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سے سوا

خاتمِ ہستی میں تُو تاباں ہے مانندِ نگیں — اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں

تجھ میں راحت اُس شہنشاہِ معظّم کو ملی — جس کے دامن میں اماں اقوامِ عالم کو ملی

نام لیوا جس کے شاہنشاہِ عالم کے ہوئے — جانشیں قیصر کے، وارث مسندِ جم کے ہوئے

ہے اگر قومیتِ اسلام پابندِ مقام — ہند ہی بنیاد ہے اس کی، نہ فارس ہے نہ شام

آہ طیبہ! دیس ہے مسلم کا تُو، ماویٰ ہے تُو — نقطۂ جاذب تاثّر کی شعاعوں کا ہے تُو

جب تلک باقی ہے تُو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہرِ شبنم بھی ہیں

(علامہ محمد اقبالؒ)

علامہ اقبالؒ کا نعتیہ آہنگ

تحریر: پروفیسر اسرار احمد سہاروی

علامہ اقبال نے نعت نگاری کو باقاعدہ فن یا مقصدِ شاعری کے طور پر اپنانے کی کوشش نہیں کی لیکن جو عقیدت ان کی رگ رگ میں رچا بسا تھا اس سے ان کا کلام مدحِ رسول کے تابناک نگینوں سے اکثر مقامات پر مرصع و مزین نظر آتا ہے بلکہ جو بے خودی علامہ پر نعتِ نبی صلعم کہنے کے وقت طاری ہوتی ہے دیدنی ہے۔ یہ والہانہ شیفتگی آپ کو دوسرے مقامات پر بقدر کیف آور اور وجد آفریں نظر نہیں آئے گی۔ نبی محترم کا ذکر آتے ہی علامہ پر عجیب سپردگی اور خود فراموشی کا عالم طاری ہو جاتا ہے بقول اصغر گونڈوی مرحوم ؎

ہر تن ہستی خوابیدہ میری جاگ اٹھی — ہر بُنِ مُو سے میرے اس نے پکارا مجھ کو

ایسے مقامات پر علامہ ایک عقیدت کیش سے زیادہ کشتۂ الفت اور گرفتارِ عشق شاعر نظر آتے ہیں اور اسی قلبی لگاؤ کی وجہ سے ان کے تمام بلاواسطہ اور بالواسطہ نعتیہ کلام میں خونِ جگر کی آمیزش نظر آتی ہے اور خمارِ چشمِ ساقی ہر مقام پر اشارہ کناں ہے کہ جا اینجاست۔ مجلائیہ جذب و انجذاب کی کیفیت بغیر خونِ جگر کی رنگ آمیزی کے کہاں پیدا ہو سکتی ہے فانی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

میری ہر ایک حرفِ نزع کے عالم میں گزر جاتی ہے — محبت نے میری رگ رگ سے کھینچا ہے لہو برسوں
مجھے جانے کی تمنت کس سے اٹھی کس طرح تھی — ترے غم نے بچالی زندگی کی آبرو برسوں

میں نے مندرجہ بالا سطور میں علامہ کی نعتوں کے بارے میں بلاواسطہ اور بالواسطہ نعت کے الفاظ دانستہ استعمال کیے ہیں اور میں ان دونوں کی مثالیں علیحدہ علیحدہ پیش کرکے دو باتیں ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں ایک تو یہ کہ علامہ نے ہی پہلی دفعہ بالواسطہ نعت لکھی ہے۔ کسی دوسرے شاعر نے میری معلومات کی حد تک یہ کوشش نہیں کی اور میری دانست میں یہ بالواسطہ یا تمثیلی نعتیں براہِ راست نعتوں سے زیادہ دلکش اور پُر تاثیر ہیں کیونکہ ان میں تمثیلی رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ ایک دلکش ایمائی کیفیت پائی جاتی ہے طرزِ تخاطب میں ڈرامائی آہنگ کی نمو ہے۔ تاریخی اشارات میں تلمیح کے رنگ کی شوخی نمایاں ہے تراکیب میں مکالمہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بات تو ایک مسلم حقیقت ہے کہ براہِ راست تخاطب سے ہمیشہ ایمائی تخاطب زیادہ دلکش اور کیف آور ثابت ہوتا ہے چنانچہ اس امر کی بہترین مثال میری نظر میں علامہ کی نظم جو کتاب جو گوئٹے کی نظم "نغمۂ محمدؐ" کا آزاد ترجمہ ہے۔ غالباً گوئٹے پہلا شاعر ہے جس نے اس قسم کی بالواسطہ نعت لکھی ہے اور نعت کو تمثیلی رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ جوئے آب گوئٹے سے غالباً علامہ نے بھی اسلامی تحریک مراد لی ہے لیکن اس کی مندرجہ تمام کیفیات بالواسطہ نبی کریم صلعم کی ذاتِ گرامی پر کلیتاً منطبق ہوتی ہیں اس وجہ سے یہ نظم ایک بہترین بالواسطہ نعت کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ دراصل گوئٹے ایک ڈرامہ اسلامی تحریک کے بارے میں لکھنا چاہتا تھا اور یہ نظم تمہید کے طور پر لکھی گئی تھی۔ لیکن اس کا عنوان "نغمۂ محمدؐ" ہی بتاتا ہے کہ اسلامی تحریک کے ساتھ حضرت محمد صلعم کا نام

اور ان کی سیرت بھی اس کے ذہن میں ہے بلکہ وہ ان دونوں کو لازم و ملزوم اور ایک ہی تصویر کے دو رخ خیال کرتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور ممکن نہیں ہے۔ علامہ اس سلسلے میں گوئٹے سے کافی متاثر معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ انہوں نے بھی بعد میں کئی بالواسطہ یا تمثیلی نعتیں لکھی ہیں جن میں سے دو ایک کا ذکر بھی آئندہ کروں گا بلکہ "پیامِ مشرق" کے دیباچے میں موصوف نے خود اعتراف کیا ہے کہ "پیامِ مشرق" کی تصنیف کا محرک جرمن حکیم حیات ہزار ٹھہرنے کی کوشش کریں لیکن قدم جانے سے مجبور ہو جاتے ہیں اور جذبات آفرینی کے بہکے بہکے ترنم کے ساتھ بہتے چلے جاتے ہیں۔

اس سلسلے کی ایک دوسری نظم "بلالؓ" ہے جو بانگ درا میں شائع ہوئی ہے اس میں بھی نبی کریم کی بالواسطہ تعریف کی گئی ہے اس میں بھی بڑی دلآویز ایمائی کیفیت اور ایمان افروز تلمیحات موجود ہیں اور براہ راست مخاطبت سے کسی طرح کم اثر انگیز نہیں ہیں۔ جی تو چاہتا تھا کہ پوری نظم ہی نقل کر دوں لیکن طوالت کے خوف سے چند اشعار پر ہی اکتفا کرتا ہوں

چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا　　حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا

وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے　　کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں　　ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

تجھے نظارے کا مثلِ کلیم سودا تھا　　اویس طاقتِ دیدار کو ترستا تھا

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری　　کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا

خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

کم از کم میری نظر میں علامہ کی کوئی ایسی روایتی غزل نہیں ہے جس میں یہ خلوص، یہ سوز و گداز، یہ خود سپردگی اور والہیت پائی جاتی ہو یقیناً یہ کرشمہ عشقِ رسول کا ہی ہے، ہر شعر معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کے دل کی گہرائیوں سے نکلا ہے اور علامہ حضرت بلالؓ کا نہیں بلکہ خود اپنا اور اپنے عشق کی واردات کا ذکر کر رہے ہیں۔

علامہ کی تمثیلی نعتوں میں ایک اور نہایت نادر نمونہ "جواب شکوہ" میں پیش کرتا ہوں۔ یہ زورِ بیان، شکوہِ الفاظ، تراکیب کی ندرت اور زیر و بم، سیلاب کی سی روانی، بحر کی شگفتگی، مصرعوں کا ترنم عشقِ رسولؐ کے سانچے میں ڈھل کر نکلا ہے اور کیف و سرور پیدا کرنے میں دو آتشہ کا کام دے رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ کو صفِ اوّل کا نعت نگار شمار کرانے کے لیے یہ چند اشعار ہی کافی ہیں۔ رسمی نعتوں کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی ؎

مثلِ بو قید ہے غنچے میں پریشاں ہو جا　　رخت بر دوشِ ہوائے چمنستاں ہو جا

ہے تنک مایہ تو ذرے سے بیاباں ہو جا　　نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہو جا

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو　　چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو　　بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے

رفعتِ شانِ رفعنا لک ذکرک دیکھے

اس سلسلے کی ایک اور تابناک کڑی بانگ درا کی وہ نظم ہے جو "صدیقؓ" کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں بھی علامہ نے اپنی محبت اور احترام رسولؐ کے اظہار کے لیے ایک تاریخی واقعے کو استعمال کیا اور اس میں بھی بھرپور تمثیلی انداز کو استعمال کیا ہے۔ طرزِ اظہار کا لہجہ اور آہنگ بتا رہا ہے کہ یہاں ذکر صرف حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے تعلقِ خاطر اور دل بستگی کا نہیں علامہ بھی نہایت خاموشی سے اپنے جذبۂ دل کا اظہار کر رہے ہیں گو پس پردہ بیٹھے ہیں لیکن ان کی جھلک صاف نظر آ رہی ہے۔ گوشۂ چشم سے محبوب کو دیکھنے میں بھی ایک خاص لطف ہے جسے عشاق ہی سمجھ اور برت سکتے ہیں۔ غیر کا یہاں گزر نہیں۔ چند اشعار برسبیلِ تذکرہ پیش کرتا ہوں ورنہ نظم بہت مشہور ہے ؎

اک دن رسولِ پاکؐ نے اصحاب سے کہا　　دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم میں مالدار

ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمرؓ اٹھے　　اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار

دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور　　بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار

. . . .

اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آ گیا　　جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار

لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت　　ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار

بولے حضورؐ چاہیے فکرِ عیال بھی　　کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار

اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر　　اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

علامہ اقبال نے ۱۹۳۳ء میں حکیم سنائی کے مزار کی زیارت کی اور اس کے مزار پر بیٹھ کر اس کے ایک مشہور قصیدے کی بحر میں ایک نظم کہی۔ اس میں تمثیل کا رنگ پیدا کیا اور ملتِ بیضا کے بارے میں مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے زیرِ عنوان قابلِ دید ہے ؎

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا　　غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازۂ صحرا

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے　　یہاں ساقی نہیں پیدا وہاں بے ذوق ہے صہبا

چنانچہ غلامی، افرنگی تہذیب وغیرہ پر خیالات کا اظہار کرتے ہوئے دیوانہ بکارِ خویش ہشیار کی طرح یکا یک مدح

رسالتؐ کی طرف رُخ موڑ دیتے ہیں، اور قاری کو ڈرامائی رنگ میں مسرت آمیز حیرت سے دوچار کر دیتے ہیں ؎

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں　　کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خود را

وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کل جس نے　　غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر　　وہی قرآں، وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

بالِ جبریل کی ایک غزل میں نبی کریمؐ سے براہِ راست مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ؎

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر　　مری دانش ہے افرنگی مرا ایمان ہے زُنّاری

اپنے برہمن نژاد ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور تخاطب میں مکالمے کا لطف پیدا کر دیا ہے۔

ضربِ کلیم میں ایک نظم "اے روحِ محمدؐ" کے عنوان سے شائع ہوئی ہے اسے ہم بلاواسطہ نعت کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس میں بھی آنحضرتؐ سے براہِ راست تخاطب ہے۔ نمونے کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ قارئینِ کرام تمثیلی نعتوں سے خود ہی مقابلہ کریں اور دونوں قسم کے طرزِ تخاطب میں فرق معلوم ہو جائے گا ؎

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر　　اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے

ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد　　اس کوہ و بیاباں سے حُدی خواں کدھر جائے

اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ　　آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

بانگِ درا میں ایک نظم "حضورِ رسالتمآبؐ میں" شائع ہوئی اس میں بھی بلاواسطہ تخاطب ہے لیکن فارم تمثیلی ہے اس لیے براہِ راست تخاطب میں بھی دلکشی دوبالا ہو گئی ہے چند منتخب اشعار پیش کرتا ہوں ؎

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا　　جہاں سے باندھ کر رختِ سفر روانہ ہوا

فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھ کو　　حضورِ آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضورؐ نے اے عندلیبِ باغِ حجاز　　کلی کلی ہے تری گرمیٔ نوا سے گداز

نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بو آیا　　ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا

حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی　　تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں　　جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں　　وفا کی جس میں ہو بُو وہ کلی نہیں ملتی

حضورِ رسالتمآبؐ میں کس اندازِ نیازمندی اور سادگی و پرکاری سے آبگینۂ دل کا نذرانہ پیش کر دیا ہے اس بلاغت اور ایمائیت پر فنکاری سو جان سے قربان ہے آبگینۂ دل پیش کرنے کے بعد قبولیت کے لیے حسنِ طلب بلکہ حسنِ تعلیل ملاحظہ ہو ؎

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں　　طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

اب آپ ہی بتائیے کہ اس شاعرانہ حسنِ طلب کے بعد قبولیت کا انعام اور تکمیلِ آرزو کی نعمت کیوں نہ ملتی چنانچہ قرائن غماز ہیں کہ علامہ دربارِ رسالت سے کامیاب و کامران ہی واپس آئے۔ ایں سعادت بزورِ بازو نیست

علامہ مرحوم کا فارسی کا کلام اردو سے زیادہ ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ نہایت اختصار سے ان کی فارسی کی نعت کا بھی ذکر ہو جائے۔ "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" میں ایک نظم بعنوان "در حضورِ رسالتمآبؐ" شائع ہوئی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں۔ ملتِ بیضا کی سراسیمگی کا حال بیان کر کے حضورؐ سے علاج کے طالب ہیں طرزِ تخاطب براہِ راست ہے اس لیے خلوص و عاجزی، دردمندی اور سوزِ دروں کا اظہار اپنے کمال پر ہے لیکن تمثیلی رنگ کی شوخی و رنگینی میں کمی محسوس ہوتی ہے ؎

اے تو ما بیچارگاں را ساز و برگ　　وا رہاں ایں قوم را از ترسِ مرگ

اے مقام و منزلِ ہر راہ رو　　جذبِ تو اندر دلِ ہر راہ رو

ایں مسلماں زادۂ روشن دماغ　　ظلمت آبادِ ضمیرش بے چراغ

قم باذنی گوئے او را زندہ کن　　در دلش اللہ ہو را زندہ کن

اے پناہِ من حریمِ کوئے تو　　من بہ امیدے رمیدم سوئے تو

آہ زاں دردے کہ در جان و تن است　　گوشۂ چشمِ تو داروئے من است

ارمغانِ حجاز میں چند رباعیاں نعت کے زمرے میں آتی ہیں۔ اختصارِ بیان کے باوجود بڑی پُر تاثیر ہیں۔ بقول مولانا محمد حسین آزاد کے تیغ کی آبداری نشتر میں بھر دی ہے۔ ایجاز نگاری کے بے مثال نمونے ہیں

بایں پیری رہِ یثرب گرفتم　　نوا خواں از سرورِ عاشقانہ

چو آں مرغے کہ در صحرا سرِ شام　　کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ

"یعنی آخر عمر میں نغمائے عشق گاتا یثرب کی طرف چلا ہوں جس طرح کہ کوئی پرندہ سرِ شام فکرِ آشیاں میں پر تولتا ہے۔"

تعلقِ خاطر کا اظہار بالواسطہ ہے ایمائیت براہِ راست دل میں تیر کی طرح ترازو ہو جاتی ہے ایک دوسری مثال اسی ذیل میں ملاحظہ ہو۔ دردِ عشق کا اظہار کس قدر اثر انگیز اور والہانہ ہے ؎

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم　　من و تو کشتۂ شانِ جمالیم

دو حرفے بر مرادِ دل بگوئیم　　بپائے خواجہ چشماں را بمالیم

"یعنی اے دوست ہم دونوں مل کر آہ و زاری کریں کیونکہ دونوں ہی کشتۂ جمالِ یار ہیں اپنے آقا کے رو برو اپنے دل کا مدعا بیان کریں اور اپنی آنکھیں ان کے مبارک قدموں پر ملیں شاید کہ مدعائے دل حاصل ہو۔"

یہ تمام رباعیات ہی نعتِ رسول کے ضمن میں آجاتی ہیں میں یہاں دو ایک کا ذکر کرکے ختم کرتا ہوں۔
نبی کریم سے دردمندانہ گلہ کرتے ہیں کہ یہاں لوگ میری بات نہیں سمجھتے میں بے گانوں کے ہجوم میں پھنس گیا ہوں آپ میری مشکل کشائی فرمائیے۔ اور کوئی ایسی راہ بتائیے کہ یہ بے گانگی ختم ہو۔ ؎

عزیزم در میانِ محفلِ خویش — تو خود گو با کہ گویم مشکلِ خویش
ازاں ترسم کہ پنہانم شود فاش — غمِ خود را نہ گویم با دلِ خویش

اس رباعی میں عجیب طرح سے نبی کریم کو مخاطب فرمایا ہے پہلے دو مصرعوں میں احسان مندی کا اظہار اور شکر گزاری کی کیفیت پیدا کی ہے۔ تیسرے مصرعے میں حسنِ طلب چوتھے میں پھر طلب پر منت گزاری کا اظہار ہے صرف چار مصرعوں میں ایک پورے قصیدے کی شان پیدا کر دی ہے۔ بلاغت اور ایجاز نگاری کا فن اپنے انتہائے عروج پر ہے کوزے میں دریا بند کرنے کی بہترین مثال ہے۔

بہ چشمِ من نگہ آوردۂ تست — فروغِ لا الہ آوردۂ تست
دو چارم کن بہ صبحِ من رآنی — شبم را تاب مہ آوردۂ تست

فرماتے ہیں یا رسول اللہ میری آنکھوں کو بصیرت آپ ہی کی بدولت نصیب ہوئی ہے۔ توحید کی حقیقت مجھے آپ ہی نے سمجھائی ہے مجھے یہ صلاحیت بھی عطا فرما دیں کہ آپ کی ذات میں خدا کا جلوہ دیکھ لوں کیونکہ میرے دل کی تاریکیاں آپ کے ہی نورِ نبوت سے مستنیر ہیں۔

اقبال درِ سرکار ﷺ پر

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اُٹھا کر
وہ بزمِ طیبہ میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

جو تیرے کوچے کے ساکنوں کا فضائے جنّت میں دل نہ بہلا
تسلّیاں دے رہی ہیں حوریں، خوشامدوں سے منا منا کر

بہارِ جنّت کو کھینچتا تھا ہمیں مدینہ سے آج رضواں
ہزار مشکل سے اس کو ٹالا بڑے بہانے بنا بنا کر

لحد میں سوتے ہیں تیرے شیدا تو حور و جنّت کو اس میں کیا ہے
کہ شورِ محشر کو بھیجتی ہے خبر نہیں کیا سکھا سکھا کر

تری جدائی میں خاک ہونا اثر دکھاتا ہے کیمیا کا
دیارِ طیبہ میں آ ہی پہنچے صبا کی موجوں میں مل ملا کر

شہیدِ عشقِ نبیؐ کے مرنے میں بانکپن بھی ہیں سو طرح کے
اجل بھی کہتی ہے زندہ باشی، ہمارے مرنے پہ زہر کھا کر

رکی ہوئی کام آ ہی جاتی ہے، جنسِ عصیاں عجیب شے ہے
کوئی اسے پوچھتا پھرے ہے درِ شفاعت دکھا دکھا کر

ترے ثنا گو عروسِ رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روزِ محشر
کہ اس کو پیچھے لگا لیا ہے گناہ اپنے دکھا دکھا کر

ترے کوئی کیا کہ تاڑ لیتی ہے لاکھ پردوں میں بھی شفاعت
رکھے تھے ہم نے گناہ اپنے ترے غضب سے چھپا چھپا کر

بتائے دیتے ہیں اے صبا ہم، یہ گلستانِ عرب کی بو ہے
مگر نہ اب، ہاتھ لا اِدھر کو، وہیں سے لائی ہے تو اُڑا کر

تری جدائی میں مرنے والے فنا کے تیروں سے بے خطر ہیں
اجل کی ہم نے ہنسی اُڑائی، اُسے بھی مارا تھکا تھکا کر

ہنسی بھی کچھ کچھ نکل رہی ہے، مجھے بھی محشر میں تاکتی ہے
کہیں شفاعت نہ لے گئی ہو مری کتابِ عمل اُڑا کر

اُڑا کے لائی ہے اے صبا تو جو گیسوئے عنبریں کی نکہت
ہمی سے اچھی نہیں یہ باتیں، خدا کی رہ میں بھی کچھ دیا کر

یہ پردہ داری تو پردہ در ہے مگر شفاعت کا آسرا ہے
دبک کے محشر میں بیٹھ جاتا ہوں دامنِ تر میں منہ چھپا کر

شہیدِ عشقِ نبیؐ ہوں، میری لحد پہ شمعِ قمر جلے گی
اٹھا کے لائیں گے خود فرشتے چراغ خورشید سے جلا کر

جسے محبّت کا درد کہتے ہیں، مایۂ زندگی ہے مجھ کو
یہ درد وہ ہے کہ میں نے رکھا ہے دل میں اس کو چھپا چھپا کر

خیالِ راہِ عدم سے اقبال تیرے در پر ہوا ہے حاضر
بغل میں زادِ عمل نہیں ہے، صلہ مری نعت کا عطا کر

——— حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ

ماہنامہ ''العزیز'' بٹالہ۔ رسولؐ نمبر۔ نومبر ۱۹۱۹ء، ص ۲۹، ۳۰

درودِ مدینہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا صَلَّیْتَ عَلَیْهِ
حَتَّی الْاٰنِ وَصَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ مِثْلَ مَا صَلّٰی
عَلَیْهِ الرُّسُلُ وَ الْاَنْبِیَاءُ وَ الْمَلٰئِکَةُ اِلَی الْاٰنِ وَصَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا
وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا صَلّٰی عَلَیْهِ الصَّحَابَةُ وَ الْاَوْلِیَاءُ
اِلَی اللَّمْحَةِ هٰذِهٖ وَصَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ
مِثْلَ مَا صَلّٰی عَلَیْهِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتُ
وَ الْمُسْلِمُوْنَ وَ الْمُسْلِمَاتُ اِلَی اللَّحْظَةِ هٰذِهٖ وَصَلِّ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا صَلّٰی عَلَیْهِ جَمِیْعُ
الْمَخْلُوْقَاتِ اِلَی السَّاعَةِ هٰذِهٖ وَصَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا
مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا صَلّٰی عَلَیْهِ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ حَتَّی الْاٰنِ ط
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ
عَدَدَ مَا صُلِّیَ عَلَیْهِ وَ عَلَیْهِمْ وَیُصَلّٰی اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ
وَبَعْدَهَا وَ بَارِكْ وَ سَلِّمْ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا ط

ترجمہ :

اے اللہ! ہمارے آقا و مولا حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) پر اتنی تعداد میں
درود بھیج جتنا تُو نے اب تک اُن پر بھیجا ہے
ہمارے آقا و مولا حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) پر اتنا درود
بھیج جتنا اِس وقت تک تمام انبیاء و رسلؑ اور ملائکہؑ نے بھیجا ہے۔
ہمارے آقا و مولا حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) پر اتنی تعداد
میں درود بھیج جتنا اِس لمحے تک تمام صحابہ کرامؓ اور اولیاءؒ نے بھیجا ہے۔
ہمارے آقا و مولا حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) پر اتنا درود
بھیج جتنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اِس وقت تک تمام مسلمان مردوں
عورتوں نے بھیجا ہے۔
ہمارے آقا و مولا حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) پر اتنی تعداد میں
درود بھیج جتنا اِس گھڑی تک تمام مخلوق نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم
پر بھیجا ہے۔
ہمارے آقا و مولا حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر اتنا درود بھیج جتنا
اب تک اہلِ مدینہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر بھیجا ہے۔
ہمارے آقا و مولا حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) پر اور آپ کے
آل و اصحاب پر اتنا درود بھیج جتنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان پر اب
تک بھیجا گیا، اور قیامت اور اس کے بعد تک بھیجا جائے گا اور برکات نازل فرما
اور خوب سلام بھیج!

مختصر درودِ مدینہ

بسمِ اللہِ الرحمٰنِ الرحیمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا صَلَّیْتَ
عَلَیْہِ اَنْتَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَالْاَنْبِیَاءُ وَالصَّحَابَۃُ
وَالْاَوْلِیَآءُ وَالْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُسْلِمَاتُ وَجَمِیْعُ
الْمَخْلُوْقَاتِ وَاَھْلُ الْمَدِیْنَۃِ وَمِثْلَمَا صُلِّیَ حَتَّی
الْاٰنِ وَیُصَلّٰی اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَبَعْدَھَا وَعَلٰٓی
اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ط

ترجمہ:

اے اللہ! ہمارے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
پر اتنا درود بھیج جتنا تُو نے اور ملائکہ، انبیاءِ کرام علیہم السلام،
صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، اولیاءِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ
نے اور تمام مسلمان مردوں عورتوں اور تمام مخلوقات نے اور مدینہ طیبہ
کے رہنے والوں نے اب تک بھیجا اور قیامت تک اور اس کے بعد
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر بھیجا جائے گا ــ اور برکت اور خوب سلام
بھیج، اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی آلؓ پر اور اصحابؓ پر۔
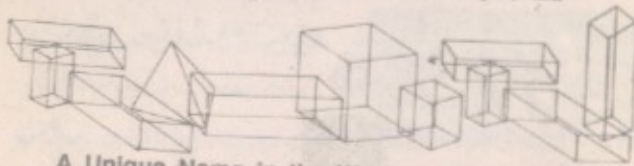
قرآنِ حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ اِن کا احترام آپ پر فرض ہے۔ ماہنامہ نعت کا ہر صفحہ حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے ذکرِ مبارک سے مزین ہے۔ لہٰذا ماہنامہ نعت کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

ایڈیٹر نعت کی چند مطبوعات

"ایڈیٹر نعت" کی بیس سے زیادہ تصانیف/تالیفات شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل کتابیں دستیاب ہیں ـــــ

۱۔ **حدیثِ شوق** دوسرا مجموعہ جس میں ۸۷ نعتیں ہیں۔ آخر میں ایڈیٹر "نعت" کی نعتیہ شاعری کے بارے میں اہلِ علم و دانش کی آرا شامل ہیں۔ دوسرا ایڈیشن۔ صفحات ۱۷۶۔ قیمت ۴۲ روپے

۲۔ **نعتاں دی اڈی** پنجابی مجموعۂ نعت جسے ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ کو صدارتی ایوارڈ دیا گیا۔ کتاب میں ۶۳ نعتیں ہیں۔ "حدیثِ شوق" کی طرح اس مجموعے میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے "تو" یا "تم" کا صیغہ استعمال کرنے کی جسارت نہیں کی گئی۔ صفحات ۱۴۴۔ قیمت ۳۰ روپے

۳۔ **قلزمِ رحمت** امیر مینائی کے مجموعۂ نعت "محامدِ خاتم النبیین" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے اسی نعتوں کا انتخاب۔ شروع میں امیر مینائی اور اُن کی نعت کے عنوان سے تحقیقی مقدمہ۔ صفحات ۹۶۔ قیمت ۱۰ روپے۔

۴۔ **نعتِ حافظ** حافظ پیلی بھیتی کے آٹھ نعتیہ مجموعوں کا انتخاب۔ شروع میں "حافظ اور کلامِ حافظ" کے عنوان سے ۳۵ صفحات کا مقدمہ۔ صفحات ۲۸۰۔ قیمت ۷۵ روپے ـــــ

۵۔ **میرے سرکار** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف موضوعات پر ایڈیٹر "نعت" کے فکر انگیز اور بصیرت افروز مضامین کا مجموعہ۔ صفحات ۱۴۴۔ قیمت ۱۸ روپے

۶۔ **احادیث اور معاشرہ** حُسنِ معاشرت کے بارے میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیس احادیثِ مبارکہ کی تشریح۔

دوسرا ایڈیشن۔ صفحات ۱۵۲۔ قیمت ۱۸ روپے

۷۔ **ماں باپ کے حقوق** کتاب ۱۷ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب کی تالیف میں ۵۰ سے زیادہ کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ صفحات ۱۱۲۔ قیمت ۲۱ روپے

۸۔ **اقبالؒ، قائدِ اعظمؒ اور پاکستان** بانیٔ پاکستان، حکیم الامت اور مملکتِ خداداد پاکستان کے بارے میں نہایت اہم تحریر۔ دوسرا ایڈیشن۔ صفحات ۱۶۰۔ قیمت ۳۰ روپے۔

۹۔ **اقبالؒ و احمد رضاؒ۔ مدحتِ گرانِ پیغمبر** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علامہ اقبالؒ اور مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کی قدرِ مشترک عشقِ رسول علیہ التحیۃ والتسلیم پر ایک جامع تحریر۔ تیسرا ایڈیشن۔ صفحات ۱۱۲۔ قیمت ۱۰ روپے

۱۰۔ **راج دُلارے** بچوں کیلیے ایڈیٹر "نعت" کی نظمیں۔ دوسرا ایڈیشن۔ دورنگی طباعت۔ صفحات ۹۶۔ قیمت ۱۸ روپے

۱۱۔ **تحریکِ ہجرت ۱۹۲۰ء** تحریکِ ہجرت ۱۹۲۰ء کے اسباب و علل اور اس کے عواقب و نتائج کا یہ پہلا تاریخی اور تحقیقی تجزیہ ہے جسے حقائق کی روشنی میں دیکھا اور پرکھا گیا ہے۔ دوسرا ایڈیشن۔ صفحات ۴۶۴۔ قیمت ۸۵ روپے

۱۲۔ **منشورِ نعت** اردو اور پنجابی نعتیہ فردیات کا مجموعہ۔ صفحات ۱۷۶۔ قیمت ۵۰ روپے

آپکو جن کتابوں کی ضرورت ہوں ان کی قیمت بھیج دیں کتابیں فوراً بھیج دی جائیں گی

اختر کتاب گھر
اظہر منزل۔ نیو شالامار کالونی
ملتان روڈ۔ لاہور

ماہنامہ "نعت" لاہور

۱۹۸۸ء کے خاص نمبر

- جنوری ــــ حمدِ باری تعالیٰ
- فروری ــــ نعت کیا ہے
- مارچ ــــ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ اوّل)
- اپریل ــــ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (حصہ اوّل)
- مئی ــــ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ دوم)
- جون ــــ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (حصہ دوم)
- جولائی ــــ نعتِ قدسی
- اگست ــــ غیر مسلموں کی نعت (حصہ اوّل)
- ستمبر ــــ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نمبروں کا تعارف (حصہ اوّل)
- اکتوبر ــــ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ اوّل)
- نومبر ــــ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ دوم)
- دسمبر ــــ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ سوم)

ماہنامہ نعت لاہور

۱۹۸۹ء کے خاص نمبر

- جنوری ــــ لاکھوں سلام (حصہ اوّل)
- فروری ــــ رسول نمبروں کا تعارف (حصہ دوم)
- مارچ ــــ معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ اوّل)
- اپریل ــــ معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حصہ دوم)
- مئی ــــ لاکھوں سلام (حصہ دوم)
- جون ــــ غیر مسلموں کی نعت (حصہ دوم)
- جولائی ــــ کلامِ ضیاء (علامہ ضیاء القادری) حصہ اوّل
- اگست ــــ کلامِ ضیاء (حصہ دوم)
- ستمبر ــــ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (حصہ سوم)
- اکتوبر ــــ درود و سلام (حصہ اوّل)
- نومبر ــــ درود و سلام (حصہ دوم)
- دسمبر ــــ درود و سلام (حصہ سوم)

ماہنامہ نعت لاہور ۱۹۹۰ء کے خاص نمبر

- جنوری ـــــ حسن رضا بریلوی کی نعت
- فروری ـــــ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبروں کا تعارف (حصہ سوم)
- مارچ ـــــ درود و سلام (حصہ چہارم)
- اپریل ـــــ درود و سلام (حصہ پنجم)
- مئی ـــــ درود و سلام (حصہ ششم)
- جون ـــــ غیر مسلموں کی نعت (حصہ سوم)
- جولائی ـــــ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (حصہ چہارم)
- اگست ـــــ وارثیوں کی نعت
- ستمبر ـــــ آزاد بیکانیری کی نعت (حصہ اول)
- اکتوبر ـــــ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حصہ چہارم)
- نومبر ـــــ درود و سلام (حصہ ہفتم)
- دسمبر ـــــ درود و سلام (حصہ ہشتم)

ماہنامہ نعت لاہور

۱۹۹۱ء کے خاص نمبر

- جنوری ـــــ شہیدانِ ناموسِ رسالت (اول)
- فروری ـــــ شہیدانِ ناموسِ رسالت (دوم)
- مارچ ـــــ شہیدانِ ناموسِ رسالت (سوم)
- اپریل ـــــ شہیدانِ ناموسِ رسالت (چہارم)
- مئی ـــــ شہیدانِ ناموسِ رسالت (پنجم)
- جون ـــــ غریب سہارنپوری کی نعت
- جولائی ـــــ نعتیہ مسدس
- اگست ـــــ فیضانِ رضا
- ستمبر ـــــ عربی ادب میں ذکرِ میلاد
- اکتوبر ـــــ سراپائے سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
- نومبر ـــــ اقبال کی نعت
- دسمبر ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن

رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۲۹۱

ماہنامہ نعت لاہور

یارسول اللہ

صلی اللہ علیک وسلم

اے کہ تھا نوحؑ کو طوفاں میں سہارا تیرا
اور براہیمؑ کو آتش میں بھروسا تیرا

اے کہ مشعل تھا ترا عالمِ ظلمت میں وجود
اور نورِ نگہِ عرش تھا سایہ تیرا

اے کہ پرتو ہے ترے ہاتھ کا مہتابِ کلِ نور
چاند بھی چاند بنا پا کے اشارا تیرا

گرچہ پوشیدہ رہا حسن ترا پردوں میں
ہے عیاں معنئِ لولاک سے پایہ تیرا

ناز تھا حضرتِ موسیٰ کو یدِ بیضا پر
سو تجلی کا محل نقشِ کفِ پا تیرا

چشمِ ہستی صفتِ دیدۂ اعمیٰ ہوتی
دیدۂ کن میں اگر نور نہ ہوتا تیرا

○

—— اقبال